ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲۲/ جولائی ۹۶ء

☆ ہمارے ذہنوں میں ایمان' عمل اور جہاد کے معنی محدود اور مسخ شدہ ہیں

☆ خون تو وہ طبقہ چوس رہا ہے جو حکومت میں ہے

☆ یحییٰ خان نے بھارت کو بدلہ لینے کا جواز فراہم کر دیا تھا

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

خدا کا قہر

چند روز ہوئے مقامی اخبارات میں شائع ہونے والی ایک خبر نے دل ہلا کر رکھ دیا۔ مسلمان ملک کا فرد ہونے کے ناطے سر ندامت سے جھک گیا۔ ماضی کے اخلاقی معیار کے مقابلے میں حالیہ پستی' روایتی شرافت کے مقابلے میں موجودہ رذالت' علاقائی تہذیب کے مقابلے میں آج کی بے غیرتی اور دینی حمیت کے مقابلے میں آزاد خیالی کے موازنے نے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ احساسات کا تلاطم گھٹتوں ذہن و قلب پر چھایا رہا اور ابھی تک اسے کلیہ محو نہیں کیا جا سکا۔ خبر یہ تھی کہ ایک شخص اپنی سگی (حقیقی) بیٹی سے حرام کاری کرتا پکڑا گیا۔ گزشتہ دو ماہ کے دوران یہ تیسرا سانحہ تھا جو اخبارات میں رپورٹ ہوا۔ اس جرم میں ملوث دو خبیث باپ اپنے بیٹوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے اور تیسرے پہ اس کی بیٹی اور بیوی نے عدالت میں مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ یہ اس قوم کے افراد ہیں جس کے ہاں منہ بولی بیٹی تو کجا منہ بولی بہن کی عزت و احترام دیدنی تھے۔ یہی نہیں اپنے گاؤں کی رہنے والی لڑکی کو بیٹی کہا اور جانا جاتا تھا۔ ان تین واقعات میں سے ایک کے بارے میں پولیس کا موقف یہ تھا کہ بیٹے کا مقتول باپ سے کسی اور باپ پہ جھگڑا ہوا۔ یہ توضیح ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس لئے کہ اولاً اس بدنصیب لڑکی اور اس کی ماں دونوں نے مقتول کی حرام کاری کی تصدیق کر دی اور دوم کوئی عورت جیتی جاگتی اس نوعیت کا جھوٹا الزام اپنے تئیں لینا پسند نہ کرے گی کیونکہ یہ کلنک کا ٹیکا بہرصورت تمام عمر اس کے منہ پر رہنا ہے۔ ہماری روایتی اخلاقی اقدار کا انحطاط اس حد تک ہو چکا ہے کہ دو تین روز قبل ایک ناخلف نے اپنی سگی ماں کو قتل کرتے ہوئے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور سر کو بالوں سے پکڑے بازار میں بھنگڑا ڈالتا رہا۔ محلے کی مسجد کے امام کی جانب سے قرآن پڑھنا سیکھنے والی لڑکی کے اغوا اور اس کے ساتھ حرام کاری کے دو تین واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ مزارعین' محنت کشوں اور غریب دستکاروں کے گھروں میں گھس کر لڑکیوں کو اغوا کرنے یا سر راہ پکڑ کے ان سے اجتماعی زیادتی کے واقعات معمول کی خبر بن چکے ہیں۔ اسی ہفتے ایک مقامی اخبار نے "لوکل" کالج کے دو پروفیسروں کے اپنی شاگرد طالبات کے ساتھ اخلاق سوز حرکات کا تفصیلی ذکر کیا۔

اگرچہ مذکورہ نوعیت کی نہیں تاہم المناک حیثیت کی حامل ایک اور حرکت بعض بدقماش لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے اور وہ ہے قرآن پاک کی بے حرمتی۔ اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے ہیں۔ راولپنڈی میں کم از کم دو مرتبہ قرآن حکیم کے جلے ہوئے اوراق گندے نالے سے برآمد ہوئے۔ ایک اور شہر سے بھی حال ہی میں ایسی نازیب حرکت کی اطلاع موصول ہوئی تھی کہ اب اسلام آباد میں سڑک کے کنارے قرآن پاک کا جیبی نسخہ جلی ہوئی حالت میں ملا۔ یہ سنتے ہی علاقے کے لوگوں میں زبردست اضطراب پھیل گیا' خواتین مرد اور بچے گھروں سے نکل آئے اور اس شرمناک واقعہ پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے رہے۔ ایسی اطلاع ملنے پر ہر مسلمان کا فطری طور پر یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ حرکت کسی غیر مسلم ملعون نے کی ہو گی' تاہم یہ الزام غور طلب ضرور ہے۔ گزشتہ واقعات کی چھان بین کے سلسلے میں ایسے شواہد سامنے آئے تھے کہ فرقہ واریت کو ہوا دینے کی غرض سے ایسی حرکت کسی منافق کی بھی ہو سکتی ہے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ گوجرانوالہ کے ایک علاقے میں ایک حافظ قرآن کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر سربازار گھسیٹا گیا' اس لئے کہ مقتول پر قرآن جلا دینے کا الزام تھا۔ مگر اتنا کچھ ہو چکنے کے بعد تفتیش نے ثابت کر دیا کہ واقعہ کچھ اور تھا اور مقتول اس سلسلے میں بالکل بے گناہ ٹھہرا۔ لوگ اپنے کئے پہ نادم ہوئے لیکن کس کام۔ گزشتہ عید الاضحیٰ کے روز ایک قصاب کے بیٹے نے اپنے باپ کو اس لئے قتل کر دیا تھا کہ مقتول اسے منہ مانگی عیدی نہ دے سکا۔ مختلف نوعیت کی جن خیشانہ حرکات کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ قہر خداوندی کو دعوت نہ دیں گی تو اور کیا ہو گا۔ "پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو" (القرآن' سورۂ حشر' ۲)۔ جس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے

(باقی بیک ٹائٹل پر)

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

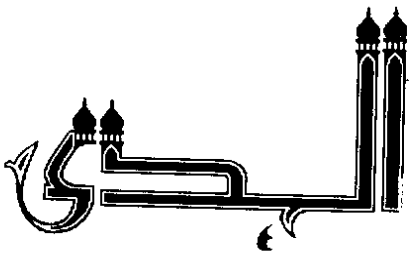

اور وہ لوگ جو موجود نہیں ہوتے جھوٹے کاموں میں اور جب کسی لغو چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو گزر جاتے ہیں باعزت طریقے پر○

(کہ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا یا کسی جھوٹ اور فریب کے کام میں عملی شرکت کرنا تو دور کی بات ہے' عبادالرحمٰن..... کہ جن کے بعض اوصاف کا بیان پہلے گزر چکا ہے..... اس نوع کے کسی کام میں اپنی موجودگی تک گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کے کردار و سیرت کی پختگی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ کسی لغو اور فضول کام میں ملوث ہونے کا کیا سوال' اتفاقاً کسی ایسی جگہ سے ان کا گزر بھی ہو جائے جہاں لغو کا ارتکاب ہو رہا ہو تو باعزت طور پر دامن بچا کر وہاں سے گزر جاتے ہیں)

اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات سے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے وہ اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے○

(آیات ربانی کو سن کر اللہ کے برگزیدہ بندے گم سم اور لاتعلق نہیں ہو جاتے بلکہ پوری توجہ اور دھیان سے سنتے اور ان آیات میں فکر و تدبر کرتے ہیں)

اور وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا○

(اپنی اولاد اور اپنے اہل خانہ کے بارے میں عبادالرحمٰن کی یہ دلی تمنا دعا بن کر ان کے لبوں پر آتی ہے کہ پروردگار انہیں فی الواقع ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک اور دل کے لئے باعث راحت و اطمینان بنا دے کہ وہ بھی اسلام و ایمان کے راستے پر چلیں اور ان کا شمار بھی تیرے فرمانبرداروں اور وفاداروں میں ہو' تاکہ روز قیامت جب ہم اٹھائے جائیں تو ہمارے پیچھے آنے والی ہماری اولاد..... جن کے لئے ہم بمنزلہ امام کے ہیں..... فساق و فجار پر نہیں' متقین اور صالحین پر مشتمل ہو)

ان لوگوں کو بدلے میں بالاخانے ملیں گے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور وہاں ان کا استقبال ہو گا دعا اور سلام کے ساتھ' وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے' کیا ہی عمدہ ہے وہ جگہ عارضی سکونت کے اعتبار سے بھی اور مستقل قیام گاہ کے طور پر بھی○

(یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے صبر و استقامت کے صلے میں آخرت میں انہیں ان کے رب کریم کی جانب سے بلند درجات عطا ہوں گے اور اس جنت میں تہنیت و مبارک باد کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہا جائے گا جس کی دلکشی اور رعنائی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمی واقع ہونے کی بجائے مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہے گا)

کہہ دو کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے' اگر نہ ہوتا تمہیں پکارنا' تو تم جھٹلا چکے ہو پس عنقریب اس کا وبال چمٹ کر رہے گا○

(کہ اے نبیؐ' آپ قریش مکہ کو سنا دیں کہ اصل بات یہ ہے کہ تم تک دین کی دعوت اور اللہ کے پیغام کی تبلیغ میری ذمہ داری ہے اور اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے میں صبح و شام تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے رب کو تم جیسے نافرمانوں اور ناہنجاروں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اور اب جبکہ تم اللہ کے کلام کو جھٹلا چکے ہو تو تم اس جرم کی پاداش سے بچ نہ سکو گے۔)

(سورۃ الفرقان' آیت ۷۲ تا ۷۶)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

پاکستان کی نصف صدی کی مختصر تاریخ میں سیاسی اتار چڑھاؤ کے متعدد ادوار آ چکے ہیں۔ یہ ملک خداداد وقفے وقفے سے سیاسی افراتفری اور شدید بحران کی کیفیات سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ تمام باخبر حلقے اس امر پر متفق ہیں کہ پاکستان میں سیاست کی گاڑی تاحال صحیح طور پر پٹڑی پر نہیں چڑھ سکی ہے اور ہر طرح کا سیاسی تجربہ اس ملک میں ناکامی کا منہ دیکھ چکا ہے۔ آج ہماری قومی سیاسی نیا ایک بار پھر بھنور میں پھنس کر شدید ہچکولے کھا رہی ہے۔ حالات کا شعور اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے پریشان ہیں کہ اس ڈرامے کا سین پاٹ کیا ہو گا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس بحر کی تہہ سے بالآخر کیا اچھلنے والا ہے تاہم ماضی کے تجربات کی روشنی میں کسی خیر کے امکانات کم ہی نظر آتے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دو ہفتے قبل مسجد دارالسلام میں قبل از نماز جمعہ اپنے خطاب میں ملک کی سیاسی تاریخ کا نہایت نہایت عمدگی کے ساتھ جائزہ پیش کرتے ہوئے موجودہ سیاسی بحران کے بارے میں اپنے خیالات کا مفصل اظہار فرمایا۔ ضمناً جماعت اسلامی کا "دھرنا" بھی زیر گفتگو آیا۔ اس خطاب کی اہمیت اور محترم ڈاکٹر صاحب کی اصابت رائے کے اعتراف میں روزنامہ "نوائے وقت" نے اپنے حالیہ "جمعہ ایڈیشن" میں اس خطاب کا مکمل اور بھرپور خلاصہ ایک مضمون کی شکل میں شائع کیا۔ موضوع کی اہمیت اور قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اس خطاب کا پریس ریلیز ذیل میں درج کیا جا رہا ہے' جس کے ذریعے اس اہم خطاب کے بعض چیدہ چیدہ نکات سے اجمالی طور پر قارئین کو آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ ارادہ یہ ہے کہ اس خطاب کو آئندہ "میثاق" میں مکمل شکل میں شائع کر دیا جائے۔ سردست اس کا پریس ریلیز ملاحظہ فرمائیے۔

"لاہور (پ ر) ملک سیاسی بحران کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ موجودہ سیاسی بحران ۶۹-۷۰ء کے حالات سے مشابہ نظر آتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کی عظیم ترین مسلم ریاست دولخت ہو گئی تھی۔ اب پھر ہماری شامت اعمال کسی نئے سانحے کو دعوت دے رہی ہے اور ملک پر عذاب الٰہی کا دوسرا شدید ترین کوڑا برسنے کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ استحصالی اور ظالمانہ نظام کی موجودگی میں محض چہروں کی تبدیلی پر مبنی سیاسی تبدیلی کے لئے عوامی قوت کے استعمال سے ملک و ملت کی بہتری کی توقع عبث ہے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ اسکے نتیجے میں کہیں ملکی سیاست کی گاڑی دستور و قانون کی پٹڑی سے نہ اتر جائے جو ملک و قوم کے لئے انتہائی نقصان دہ ہو گا۔ دوسری جانب یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کا وجود ہر ہندو کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے اور بھارت ماضی کی طرح اب بھی کسی نئے سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بحیثیت قوم ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سہارا دے دے تو دوسری بات ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب بے نظیر حکومت کا چل چلاؤ ہے۔ ایسے میں جب کہ دستوری اور جمہوری راستے کے ذریعے حکومت کی تبدیلی میں حائل رکاوٹیں اور مشکلات کافی حد تک دور ہو چکی ہیں' اپوزیشن کی جانب سے اٹھائے گئے "سرے کے محل" سیکنڈل نے بے نظیر حکومت کو سخت مشکل میں ڈال دیا ہے' جب کہ عدلیہ کی جانب سے بھی حکومت پر سخت دباؤ ہے' بعض عناصر کی جانب سے فری سٹائل محاذ آرائی کا آغاز کہ جس کے ذریعے سے ملکی سیاست کی گاڑی کو دستور و قانون کی پٹڑی سے اتار دیا جائے بیرونی طاقتوں کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ کوئی کوئی "نادیدہ ہاتھ" جماعت اسلامی کی سٹریٹ پاور پر مبنی طاقت کو ختم کر کے ایک تیر سے دو شکار تو نہیں کر رہا کہ ایک جانب تو اس کے ذریعے سے یہاں پر فنڈامنٹلزم کے غبارے سے ہوا نکال دی جائے اور دوسری جانب عمران خان جیسے اقتدار کے کسی شکاری کا راستہ ہموار ہو جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ملک کے سیاسی منظر پر قاضی حسین احمد صاحب کا حالیہ اقدام یا تو "انتہائی مایوسی" کا مظہر ہے یا کسی "بالاتر" طاقت کا اشارہ۔ کسی واضح ہدف کے تعین اور اس کے لئے رائے عامہ ہموار کئے بغیر حتیٰ کہ جماعت اسلامی کی شوریٰ میں مشورے کے بغیر قاضی صاحب کی موجودہ احتجاجی تحریک درحقیقت ناقابل فہم سیاسی کھیل ہے۔ انہوں نے کہا ۵۳ء میں مجلس احرار نے ملک کی سیاسی گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے میں اہم کردار ادا کیا' جب کہ اب جماعت اسلامی چاہے غیر شعوری طور پر سہی' اسی راستے پر گامزن نظر آتی ہے۔ جماعت اسلامی نے ہمیشہ دستوری اور جمہوری جدوجہد کے راستے سے نفاذ اسلام کی پالیسی اپنائے رکھی ہے مگر اب "اچانک" اور غیر متوقع تحریک سے ملک کے اندر ایک انتشار کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے جس سے ہر سیاسی و مذہبی جماعت فائدہ اٹھانے کی تاک میں ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ جماعت اسلامی سمیت دیگر مذہبی سیاسی جماعتوں کو نواز شریف سے اسلام کی جانب پیش رفت کے لئے واضح پیشگی شرائط حاصل کرنے کے بعد اشتراک عمل یا اتحاد کی پالیسی اپنانی چاہئے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ نظام کی تبدیلی کے لئے انقلابی جدوجہد کے آخری مرحلے کے طور پر احتجاجی تحریک اور جماعت اسلامی کی موجودہ حکومت مخالف تحریک میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے آخری مرحلے میں جو احتجاجی تحریک فیصلہ کن ثابت ہو گی اس میں وہ لوگ شامل ہوں گے جنہوں نے اپنی معاش اور معاشرت کو حرام سے پاک کر لیا ہو اور وہ ایک امیر کی امارت کے تحت منظم ہو چکے ہوں گے۔ جماعت اسلامی کی جانب سے ۲۴/ جون کے "دھرنے" کے موقع پر لاہور سے چلنے والے جلوس کی جانب سے ڈسپلن کی خلاف ورزی کا مظاہرہ جماعت اسلامی کے شایان شان نہیں تھا۔" ○○

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۲۸
۲۲/ جولائی ۹۶ء

15

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' برما' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

اُمّت کی طویل تاریخ ایک حدیث مبارکہ میں سمٹ کر آگئی ہے

ہمارے ذہنوں میں ایمان، عمل اور جہاد کے معنی بہت محدود اور مسخ شدہ ہیں

آخری دور میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی نوید جانفزا نبی اکرمؐ نے سنائی ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

اللہ کا دین غالب ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت ہی غلبہ دین ہے۔ لیکن اس کے لئے سرفروشی، جانفشانی اور جہاد و قتال کے مراحل تو مومنین صادقین ہی کو طے کرنے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿یایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیمO تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمونO﴾ (الصف: ۱۱-۱۰) یعنی "اے اہل ایمان کیا میں تمہاری رہنمائی اس نجات کی طرف کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے؟ (پختہ) ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔ اگر تم علم (حقیقی) رکھتے ہو تو تم (جان لو گے کہ) یہی تمہارے لئے بہتر ہے"۔

سورۂ صف کی ان آیات پر ذرا ٹھہر کر ہمیں اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں نظام خلافت کے قیام کے لئے دو شرائط آئی تھیں۔ یعنی وعدہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط تھا۔ اس مقام پر بھی دو ہی شرائط آئی ہیں۔ یعنی ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ۔ وہ ایمان، وہ عمل صالح اور یہ جہاد کون سے ہیں جن سے یہ وعدے پورے ہو سکتے ہیں؟ افسوس ہے ہمارے ذہنوں میں ایمان، عمل اور جہاد کے معنی بہت محدود اور مسخ شدہ ہیں۔ اس لئے ان کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دنیوی اور اخروی وعدے

سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیات میں دو وعدے مذکور ہیں جبکہ سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں تین وعدے آئے ہیں، مگر سورۂ نور میں جن وعدوں کا ذکر ہے ان کا تعلق دنیا سے ہے۔ یعنی اے مسلمانو! ہم تمہیں خلافت عطا کریں گے، دنیا میں تمہارا دین غالب ہو جائے گا اور دنیا میں تمہاری خوف کی کیفیت امن سے بدل دی جائے گی۔ جبکہ سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیات میں پہلے آخرت کا نتیجہ بیان کیا ہے۔ یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان رکھو گے اور جہاد فی سبیل اللہ پر کاربند رہو گے تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا، تمہیں جنتوں میں داخل کرے گا اور ہمیشہ ہمیش کے باغات میں تمہیں نہایت پاکیزہ مسکن عطا کرے گا۔ اور اسی اخروی نتیجہ کو بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ذلک الفوز العظیم﴾ اس طرح ہمارے معیار خیر و شر (Value Structure) کو بھی درست کر دیا گیا ہے کہ اصل کامیابی دنیا کی نہیں آخرت کی ہے۔ اسی لئے آگے چل کر تقابل (Contrast) میں فرمایا: ﴿واخری تحبونھا﴾ (ایک اور شے جو تمہیں پسند ہے)

اس موقع پر امام رازی نے تفسیر کبیر میں بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ "یہاں درحقیقت اس بات کی مذمت کی گئی ہے کہ یہ تمہاری بشریت ہے جس کی وجہ سے تم دنیا کی فتح و کامیابی کو اہمیت دیتے ہو مگر اللہ کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر اہمیت ہوتی تو (اہل ایمان کو) آن واحد میں فتح عطا کر دیتا۔ اللہ کی نگاہ میں تو تمہاری آزمائش اور امتحان کو اہمیت حاصل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون اس آزمائش میں پورا اترتا ہے۔ حضرت حمزہؓ اپنی آنکھوں سے فتح مکہ کا منظر نہیں دیکھ سکے تو کیا وہ ناکام ہو گئے؟ حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ تو مکہ میں ہی شہید ہو گئے، ان کو مدینہ کا دارالامن دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا۔ لہٰذا اصل کامیابی ثابت قدمی ہے۔ ایمان و عمل صالح کا حق ادا کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دینا ہی فوز عظیم ہے۔

اخروی کامیابی کی اہمیت واضح کرنے کے بعد دنیا سے متعلق وعدوں کا ذکر ہوا ہے: ﴿واخری تحبونھا، نصر من اللہ وفتح قریب، وبشر المومنین﴾ یعنی اللہ کی طرف سے مدد آیا ہی چاہتی اور فتح تمہارے قدم چوما چاہتی ہے۔ اور اے نبی ہمارے مومن بندوں کو بشارت دے دیجئے کہ تمہاری سخت آزمائشوں کا زمانہ اب ختم ہوا چاہتا ہے۔ تم نے ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دیا ہے اور جہاد کے تقاضے بھی پورے کر دیئے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب آزمائش انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور اہل ایمان اس میں بھی اپنی ثابت قدمی اور استقلال کا مظاہرہ کر دکھاتے ہیں تب اللہ کی مدد بلا تاخیر دستگیری کے لئے آجاتی ہے۔ اسی اصول کے تحت اس آیت میں بھی مومنین کو فتح اور نصرت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

وعدۂ استخلاف کی تکمیل اول

آیئے اب یہ دیکھیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ وعدۂ استخلاف و نصرت کتنا جلدی پورا ہوا۔ مذکورہ بالا آیات ۵ھ کے آخر یا ۶ھ کے اوائل میں نازل ہوئیں۔ ۶ھ کے ذی القعدہ میں صلح حدیبیہ ہو گئی اور قرآن نے اعلان کر دیا ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ (الفتح: ۱) "اے نبی! ہم نے تم کو

فتح مبین {۱} عطا کی"۔ ۶ھ کی صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ۷ھ میں خیبر فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کی تنگدستی ختم ہوئی۔ پھر ۸ھ میں خود مکہ فتح ہو گیا اور جزیرہ نمائے عرب میں اعلان کر دیا گیا: ﴿براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین﴾ (التوبہ: ۱) یعنی "مشرک کان کھول کر سن لیں کہ آج کے بعد سے ان کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہیں"۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کا خاتمہ کر دیا گیا۔ سورۂ توبہ میں (Mopping up operation) کا اعلان کر دیا گیا۔ کسی علاقے کے مفتوح ہو جانے کے بعد بھی کہیں کہیں مزاحمتی اور دفاعی مورچے (pockets of resistance) باقی رہ جاتے ہیں' فتح مکہ کے بعد ان مزاحمتی مورچوں کی صفائی ۹ھ میں ہوئی۔ اور پھر ۹ھ کے اواخر یا ۱۰ھ کے اوائل تک ﴿جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱) کا بچشم سر مشاہدہ ہو گیا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین غالب ہو گیا۔ نظام خلافت کا وعدہ پورا ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ۲۴ برس کے اندر اندر دریائے جیحوں سے لے کر بحر اوقیانوس تک نظام خلافت غالب ہو گیا۔ گویا آیات استخلاف کے نزول کے بعد تیس برس کے اندر اندر معروف دنیا کے بہت بڑے رقبے پر وہ کیفیتیں پوری ہو گئیں جن کو ﴿لیستخلفنھم فی الارض ..... ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا﴾ کے بلیغ انداز میں بیان فرمایا گیا تھا۔

قافلہ سخت جاں منزل بمنزل

یہ تو ہے وعدۂ استخلاف و نصرت کی تکمیل اولیٰ۔ البتہ اس کے بعد کیا ہوا اس وقت سے اب تک ہم کن کن مرحلوں اور وادیوں سے گزرے اور اب

کون سی وادی میں ہے کونؔ سے منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جاں

یہ تیرہ سو اکتیس برس کی تاریخ ہے۔ ۶۳۲ء میں نبی ﷺ کی وفات ہوئی تیس برس خلاف راشدہ کے اور نکال دیجئے اس حساب سے تیرہ سو اکتیس سال بنتے ہیں {۲}۔ اگر ہم اپنی کوشش سے اس ساری داستان کو بہت مختصر کر کے بیان کریں تو بھی بات بہت طویل ہو جائے لیکن یہ کلام نبوی کی بلاغت ہے کہ ہم اس طویل تاریخ کو صرف ایک حدیث نبوی سے سمجھ لیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر کیا ہے۔ ہماری پوری تاریخ اس حدیث میں سمٹ کر آ گئی ہے۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے جسے حضرت نعمانؓ بن بشیر نے روایت کیا ہے: تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ اذا شاء ان یرفعھا (مسلمانو!) تمہارے اندر نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اس نبوت کو اٹھائے گا) یہ آپ ﷺ نے دوسرے دور کا ذکر کیا ہے {۳} ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ (پھر خلافت ہو گی منہاج نبوت پر)

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

اس کے الفاظ بہت قابل غور ہیں۔ اس دور کے لئے ہمارے ہاں معروف اصطلاح "خلافت راشدہ" ہے۔ تاہم یہ اصطلاح حدیث میں اس طرح نہیں آئی۔ ہاں "خلفاء راشدین" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں' جیسا کہ مشہور حدیث ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (میری سنت کا اتباع کرنا اور میرے خلفاء راشدین المہدیین کی سنت کا اتباع کرنا تم پر لازم ہے)۔ لیکن حضرت نعمانؓ بن بشیر کی زیر مطالعہ روایت میں خلافت کی جو صفت آئی ہے وہ اتنی مشہور نہیں ہے۔ اللہ نے یہ توفیق ہم کو دی کہ ہم اپنی تقاریر اور مطبوعات کے ذریعے اس صفت کو عام کر رہے ہیں۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے معنی ہوں گے کہ "بعینہٖ نبوت کے نقش قدم پر خلافت"۔ یہ "بعینہٖ" کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے' کیونکہ خلافت راشدہ میں وہ نظام جو محمد عربی ﷺ نے بنفس نفیس قائم کیا تھا وہ بعینہٖ بتمامہٖ اور بکمالہٖ جوں کا توں قائم رہا۔

دور صدیقی کی مثال

اس سلسلہ میں صرف ایک مثال دینا کافی سمجھتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مبارک کے آغاز ہی میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت عمرؓ جیسے عظیم شخص نے بھی مصلحت اندیشی کا مشورہ دیا کیونکہ دو محاذ پہلے ہی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک محاذ پر رومیوں سے جنگ کے

{۱} یہ اہم نکتہ ہے کہ قرآن مجید صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیتا ہے لیکن فتح مکہ کا ذکر اس اہتمام سے نہیں کرتا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ صلح حدیبیہ میں کفار نے مسلمانوں کے وجود کو ایک طاقت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا۔ اور یہ سب سے بڑی کامیابی تھی۔ ہمارے زمانے میں عربوں کے مقابلے میں یہود نے ۱۹۴۸ء میں زبردست کامیابی حاصل کی پھر ۶۷ء میں یہود نے عربوں کے بڑے بڑے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ان کی طاقتور ترین حکومتوں مصر اور شام کو شکست سے دوچار کیا۔ لیکن یہود کی اصل بڑی فتح یہ ہے کہ آج تمام عرب ممالک اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ توہین و تذلیل کی حد ہے کہ سب کو اسرائیل کے سامنے ایک ٹیبل پر بلا لیا گیا ہے۔ حالانکہ عرب اس پر کبھی تیار نہ تھے صرف مصر نے یہ ذلت گوارا کی تھی۔ لیکن اب سب کو میڈرڈ میں بلا کر بٹھایا گیا ہے۔ یہ میڈرڈ "تہذیب حجازی" کے مزار اندلس (اسپین) کا معروف شہر ہے۔ اس سے قبل میڈرڈ میں کوئی بین الاقوامی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی لیکن عربوں کی تذلیل کے لئے یہ جگہ منتخب کی گئی ہے' جہاں پر آٹھ سو سال انہوں نے حکومت کی تھی مگر جہاں سے ان کا بچہ بچہ ختم کیا گیا اور جہاں سے ان کو ذلیل کر کے نکالا گیا تھا۔
{۲} ۱۹۹۴ء تک

{۳} یعنی میں تمہارے درمیان بنفس نفیس موجود رہوں گا پھر ﴿انک میت وانھم میتون﴾ (المومن: ۳۰) (موت تم کو بھی آنی ہے اور موت ان کو بھی آنی ہے) کے تحت اللہ کے حکم سے نبی ﷺ دنیا سے رخت سفر باندھ لیں گے۔

لئے جیشِ اسامہؓ کو یہ کہہ کر روانہ کر دیا تھا کہ اس لشکر کے بھیجنے کا فیصلہ خود نبی ﷺ نے کیا تھا اس کا علم خود دستِ مبارک سے باندھا میں اسے کیسے کھول سکتا ہوں۔ دوسرا محاذ جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف کھل چکا تھا' ان کے کفر میں کسی شک کی گنجائش نہ تھی' چنانچہ ان سے تو لڑنا ہی تھا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا "اب تیسرا محاذ نہ کھولئے" اس بات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ردعمل (Reaction) بڑا ہی سخت تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی ڈانٹ پلا دی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ ہی کا مقام ہے کہ حضرت عمرؓ جیسی ہستی کو وہ ڈانٹ پلا سکتے تھے۔ صحابہؓ میں کسی اور کا یہ مقام نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اے عمرؓ تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے' اسلام میں آکر بزدل بن گئے؟ (أجبار في الجاهلية وخوار في الاسلام) اور دوسری بات جو آپ نے فرمائی دراصل اسی کو بیان کرنے کے لئے یہ سارا واقعہ میں نے نقل کیا ہے۔ فرمایا أينقص الدين وانا حيٌّ (کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی) آپ نے مزید فرمایا "خدا کی قسم! اگر حضور ﷺ کے زمانے میں زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ یہ ان کو باندھنے کی رسیاں دیتے تھے مگر اب رسی دینے سے انکار کریں گے تو بھی میں ان سے جنگ کروں گا"۔

کمیونزم اب تو قصہ پارینہ بن چکا ہے' لیکن اس کے زوال کا آغاز نظریات میں ترمیم سے ہوا تھا۔ کہنے والے کہتے تھے کہ کمیونزم عالمی نظریہ کے بجائے روسی قوم پرستی (Russian Nationalism) کا لبادہ اوڑھ چکا ہے' چنانچہ تحریف کی ایک خشت کج نے پوری عمارت کو زمین بوس کر دیا۔

دور حاضر کی اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے موقف پر غور کریں۔ آپ نے اظہار مافی الضمیر میں فصاحت و بلاغت کی بھی حد کر دی۔ کہاں اونٹ اور اس کی رسی' لیکن جناب صدیق اکبر کو اتنی مداہنت یا ترمیم بھی گوارہ نہ تھی۔ آپ کے جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اعلان کر دیا تھا "خدا کی قسم اور کوئی میرے ساتھ جائے یا نہ جائے میں تن تنہا جاؤں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔ آخر امت نے آپ کو "افضل البشر بعد الانبياء بالتحقيق" (انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل) کا اعلیٰ مقام یونہی تو نہیں دے دیا تھا۔ آپ جیسا رقیق القلب انسان اس نازک موقع پر عزیمت و استقلال کا کوہ ہمالہ نظر آتا ہے۔

بہرحال اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ خلافت علیٰ منہاج النبوہ کے معنی حقیقتاً ہیں کیا اور اس سے حقیقت میں مراد کیا ہے۔ اسی خلافت کو عرف عام میں خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

حضور نے اپنی حدیث مبارک میں مزید فرمایا کہ یہ نظام بھی اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ اس کے بعد یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس نکتے پر بھی غور کر لیں کہ کیا خود حضور ﷺ کا دور بھی دور خلافت تھا یا نہیں؟ یقیناً آپ کا دور بھی خلافت ہی ہے۔ قرآن حکیم خود کہتا ہے: ﴿ يا داود انا جعلنك خليفة في الارض ﴾ (ترجمہ) "اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا"۔ بلکہ آپ ﷺ کا دور خلافت اب ایک "ماڈل" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ﴾ (الاحزاب: ۲۱) (تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے) چنانچہ اب قیامت تک جو بھی نظام ہوں گے انہیں اسی کے حوالے سے پرکھا جائے گا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے دور کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: ثم يكون ملكا عاضا فتكون ما شاء الله ان تكون ثم يرفعها الله اذا شاء ان يرفعها یعنی "پھر ایک دور ملوکیت آئے گا اور یہ کاٹ کھانے والی ملوکیت ہو گی۔ یہ دور بھی اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ جب چاہے گا' اسے بھی اٹھا لے گا"۔

ظالم ملوکیت کا دور

خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد جس نظام کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے حدیث نبوی میں اسے ملوکیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تاہم اس دور کو ہم اس معنی میں خلافت کہہ سکتے ہیں کہ وہاں از کم عقیدتاً کتاب و سنت کی مکمل بالادستی تسلیم کی جاتی تھی۔ اس قسم کی بالادستی خلافت بنو امیہ میں بھی تھی اور خلافت بنو عباس میں بھی اور خلافت عثمانیہ میں بھی یہ بالادستی قائم رہی۔ ہاں دولت کی تقسیم کا نظام عملاً بدل گیا تھا۔ اور دور بنو امیہ کے ۹۰ برس دراصل عبوری مدت ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے ملوکیت تک بات ایک دن میں نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ اصل ملوکیت تو بنو عباس کے دور میں شروع ہوئی۔

بنو امیہ کے مظالم

بہرحال بنو امیہ کی حکومت بھی یقیناً ظالم تھی۔ حضرت حسین بن علیؓ کے ساتھ میدان کربلا میں جو کچھ ہوا اس سے تو بچہ بچہ واقف ہے' کیونکہ اس کا تذکرہ تو اہتمام کے ساتھ بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے' لیکن اسی جیسا سلوک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ حرم مکہ میں ہوا' ان کو بے دردی سے ذبح کیا گیا اور لاش کو تین دن تک بے گور و کفن سولی کے تختہ پر لٹکا رکھا گیا۔ حرم مکی کی حرمت کو بٹہ لگایا گیا۔

اسی دور میں واقعہ حرہ بھی پیش آیا۔ اس واقعہ میں تین دن تک مدینہ منورہ میں لوٹ مار کی گئی۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سینکڑوں تابعین شہید کئے گئے' مگر میرے نزدیک اس سے بڑا ظلم یہ تھا کہ محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا کر شہید کر دیا گیا۔ وہ نوجوان تھا لیکن اس قدر پارسا تھا کہ ہندوؤں نے اپنے معیار و عقیدہ کے مطابق اسے اوتار قرار دے دیا اور اس کی مورتیاں بنا کر پوجا شروع کر دی۔ ایسے متقی اور عادل حکمران کو اگر موقع مل جاتا تو پورا ہندوستان فتح ہو جاتا' لیکن اس سے ملوکیت کو بڑا خطرہ لاحق ہو جاتا۔ ملوکیت میں تو سوچنے کا انداز یہی ہوتا ہے کہ کسی شخص کا ہر دلعزیز ہونا تخت شاہی کے لئے خطرہ ہے۔ محمد بن قاسم کا بھی یہی جرم تھا کہ وہ کشمکش اقتدار میں برسر اقتدار آنے والے بادشاہ کے مخالف گروپ میں شمار ہوتا تھا۔ جو کچھ محمد بن قاسم کے ساتھ ہوا بعینہٖ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے شمالی افریقہ کا اکثر و بیشتر حصہ فتح کیا تھا۔ طارق بن زیاد موسیٰ بن نصیر کے ادنیٰ

کمانڈر تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو بھی ذلیل کیا گیا' دھوپ میں کھڑا کیا گیا' بہت بوڑھے تھے' بے ہوش ہو کر گر گئے۔ دونوں کو بادشاہت کے لئے خطرہ سمجھا گیا۔

بنو عباس کا تعیش

یہ تو حالت بنی امیہ کے دور کی ہے۔ اس کے بعد بنو عباس کے دور میں جو کچھ ہوا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ جو ٹھاٹ اس دور میں جمے' رقص و سرود کی جو محفلیں سجائی گئیں' وہ سب کو معلوم ہیں۔ کوہ قاف کا سارا نسوانی حسن بغداد کے محلوں میں کھنچا چلا آ رہا تھا۔ یہ ہے تیسرا دور جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "کاٹ کھانے والی ملوکیت" سے تعبیر کیا ہے۔

جبر پر مبنی ملوکیت

چوتھے دور کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: ثم تکون ملکا جبریا ثم یرفعها الله اذا شاء ان یرفعها یعنی "پھر ایک اور ملوکیت آئے گی وہ مجبوری والی ملوکیت ہو گی۔ پھر اس کو بھی اللہ جب چاہے گا اٹھالے گا"۔

ان دو قسم کی ملوکیتوں میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کے جواب کے سلسلہ میں ہمارے پاس نہ اس امر کی کوئی شہادت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا ہو' نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس زمانے میں ان دونوں ملوکیتوں کے درمیان کیا فرق سمجھا گیا' مگر آج کے حالات میں ہمارے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ پہلا دور ملوکیت وہ تھا جب ملوک مسلمان تو تھے لیکن اس کے بعد جو ملوکیت ہم پر مسلط ہوئی وہ غیر مسلموں کی تھی۔ یہ مغربی استعماریت کا دور ہے۔ ہم برطانیہ کے غلام' فرانس کے غلام' اٹلی کے غلام اور ولندیزیوں کے غلام ہوتے چلے گئے۔ یہ چوتھا دور ہے جس کی اس حدیث مبارک میں خبر دی گئی ہے۔

بالواسطہ غلامی کا دور

یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ براہ راست غلامی تو ختم ہو گئی لیکن بالواسطہ یعنی (Rule By Proxy یا Indirect Rule) ابھی برقرار ہے۔ پوری امت مسلمہ ہنوز ان کے شکنجے میں ہے۔ ہماری معیشت اور وسائل ان کے قبضے میں ہیں۔ ہمارے ذہن ان کے قابو میں ہیں۔ ذہنی' فکری اور تہذیبی اعتبار سے ہم ان کے غلام ہیں۔ علم اور ٹیکنالوجی میں ہم ان کے بھکاری ہیں۔ دراصل یہ چوتھا دور جزوی طور پر ختم ہوا ہے لیکن معنوی اعتبار سے اس کا تسلسل اب بھی جاری ہے۔ اور اس غلامی کا جو حصہ باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ تلخ اور اس کے شدائد اور مصائب پہلے سے کہیں بڑھ کر ہوں گے۔

دور سعادت کی نوید جاں فزا

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا' حدیث مبارکہ کے مطابق بہرحال اس دور کو بھی ختم ہونا ہے اور اس کے بعد آپؐ نے آخری دور کا تذکرہ فرمایا ہے: ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة (پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا) یہ ہے وہ نوید جاں فزا' وہ خوشخبری جو موجودہ مایوس کن حالات کے لئے نبی اکرمؐ نے سنائی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت نعمانؓ بن بشیر فرماتے ہیں کہ ثم سکت رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی "اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اسی حدیث مبارکہ کو مولانا مودودی مرحوم نے قدرے تفصیل سے اپنی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں نقل کیا ہے۔ اس روایت میں اضافی مضمون یہ ہے کہ:

> "جب خلافت علیٰ منہاج النبوت کا نظام قائم ہو جائے گا تو لوگوں میں معاملہ سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو گا اور اسلام اپنے جھنڈے زمین میں گاڑ دے گا۔ آسمان والے بھی راضی ہو جائیں گے اور زمین والے بھی۔ آسمان اپنا ہر ہر (مبارک) قطرہ موسلا دھار بارش کی شکل میں زمین پر برسا دے گا۔ اور زمین بھی اپنے تمام معدنی اور نباتی خزانے اگل دے گی"۔

گویا اس حدیث مبارکہ میں اس نظام خلافت کی اضافی شان وارد ہوئی ہے۔ افسوس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے حوالہ نہیں دیا۔ میں اب تک امکانی کوشش کے باوجود حوالہ تلاش نہیں کر سکا۔

اگر اس وقت کے معروضی حالات کو دیکھا جائے تو یہ بشارت بالکل ناممکن الوقوع نظر آتی ہے۔ لیکن ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے مان لیا ہے کہ وہ الصادق والمصدوق ہیں تو ان کی ہر خبر پر ایمان لانا لازم ہے۔ حدیث صحیح ہے' لہٰذا ایمان لانا ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یقین کریں یا نہ کریں' ہونا وہی ہے جس کی آپؐ نے خبر دی ہے۔

بیسویں صدی کی تاریخی اہمیت

اب چند باتیں بیسویں صدی کے حوالے سے بھی عرض کرنی ہیں۔ تاریخ انسانی میں بیسویں صدی سے زیادہ گھمبیر دور کوئی نہیں گزرا۔ اس صدی میں دو عظیم مملکتوں کا ایسا خاتمہ ہوا کہ نام و نشان تک مٹ گیا۔ صدی کے آغاز میں' سلطنت عثمانیہ جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی نسیاً منسیاً ہو گئی جبکہ اس صدی کے اختتام پر U.S.S.R. جیسی سپر طاقت ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا' کی تصویر بن گئی۔ کیا عجب کہ اسی صدی میں کوئی تیسری طاقت بھی اسی طرح پگھل کر رہ جائے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ امریکہ کا یہ انجام دور نہیں ہے۔ امریکی معیشت سخت بحران کا شکار ہے۔ اس کی معیشت کا اصل lever یہود کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی جب چاہیں گے ایک جنبش میں سب کچھ ختم کر دیں گے۔ میں تو ان حقائق کو دو اور دو چار کی طرح جانتا ہوں۔ وقت دور نہیں ہے جب وہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کریں گے۔ مسلمان ممالک میں سے ان کے راستے میں کوئی مزاحم نہیں ہے۔ اگر مزاحم ہو گا تو امریکہ ہی ہو گا۔ لہٰذا وہ پہلے اس کا خاتمہ کریں گے۔ جو لوگ مغرب کے حالات کا مطالعہ صیہونی تحریک کے عزائم کے پس منظر میں کرتے ہیں وہ یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ کا یہ انجام دور نہیں ہے۔ (جاری ہے)

شریعت اسلامی کے حقیقی ماخذ کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ ہی ہیں

قرآن تمام اقوامِ عالم کیلئے ایک مکمل ہدایت نامہ ہے

پاکستان کے پہلے اور آخری مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا جولائی ۱۹۵۲ء کا پیش کردہ دستور قرآنی

قبل اس کے کہ آیات متعلقہ کی رو سے دستور کی اساس پیش کی جائے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دستور اور قانون میں فرق واضح کر دیا جائے کیونکہ عموماً لوگ اس سے واقف نہیں' بلکہ دونوں کو ایک چیز سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے اشکالات میں الجھ جاتے ہیں۔

دستور نام ہے نظام حکمرانی اور حکومت کے بنیادی اصولوں کا' کہ کسی سلطنت کو کس طرح چلایا جائے' اس کی دفعات اس طرح کی ہوتی ہیں مثلاً اقتدار اعلیٰ کس کا ہے' صدر مملکت کا عزل و نصب کس کے اختیار میں ہے' اس کا تقرر کن اصولوں پر کیا جائے' صدر کے اوصاف کیا ہوں' اس کے فرائض کیا ہوں' طرز حکومت پارلیمانی ہو یا صدارتی' شخصی ہو یا جمہوری' قانون سازی کا اختیار کس کو ہو اور کن اوصاف و شرائط پر وغیرذلک' اور قانون ملک کے شعبہ جاتی نظام اور اس کی تفصیلات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ دستور' قانون سے بالکل مختلف ایک چیز ہے۔

دوسری ایک بات اور سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن مجید تمام اقوام عالم کے لئے' تمام شعبہ ہائے زندگی کے واسطے ایک مکمل ہدایت نامہ ہے' اس میں دستور مملکت کے اصول بھی ہیں' قانون کے تمام انواع و اصناف بھی' اصلاح اعمال و اخلاق کے لئے ہدایتیں بھی ہیں' عبادت گزاری کے طریقے بھی' تمدن و معاشرت کے بہترین اصولوں کی تعلیم بھی ہے' خلوت و جلوت کے آداب بھی' عالم ارواح' عالم عناصر کی پیدائش' اجرام فلکیہ اور نجوم ثوابت و سیارات اور اصول طب کے متعلق اہم معلومات بھی ہیں اور تاریخ اقوام و ملل بھی۔

لیکن اس کا حکیمانہ اسلوب انسانی تصانیف سے بہت بلند و بالا ہے' نہ اس کو فن تاریخ کی کتاب یا کوئی قصہ و ناول کہا جا سکتا ہے' نہ فن طب کا قرابادین' نہ فن نجوم یا فلسفہ و ریاضی کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں' نہ کوئی مرتب دستور و قانون' وہ ایک عجیب و غریب نظام حیات اور نسخہ شفاء ہے جس کا ایک ایک لفظ دل کی گہرائی میں اترتا اور اپنا اثر دکھاتا ہے۔

وہ یاد کرنے اور تلاوت کرنے کے لئے اتنا آسان ہے کہ پانچ برس کا بچہ پورا حفظ کر سکتا ہے' اور اس کے احکام و مواعظ اتنے سادہ پیرایہ میں ہیں کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ادنی کوشش کر کے سمجھ سکتا ہے' ساتھ ہی اس کے مضمرات اور غوامض اتنے عمیق ہیں کہ چودہ سو سال کی طویل مدت میں لاکھوں علمائے امت نے اپنی پوری عمریں اس کے تھاہ معلوم کرنے میں گزار دی مگر نہ پا سکے' بلکہ اپنی اپنی فہم و فراست اور غور و تدبر کے موافق ہر شخص نے حصہ پایا اور قیامت تک پاتے رہیں گے' یہی وہ میدان ہے جس میں ماہر کتاب اللہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں' یہ کہنا جہالت کے سوا کچھ نہیں کہ "قرآن صرف ملاؤں کی جاگیر نہیں' ہر مسلمان کا حق اس میں مساوی ہے" کیونکہ یہاں جاگیر کا سوال نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے' بلاشبہ حق تو سب کا ہے مگر ایسا ہی جیسے وزارت عظمیٰ اور صدارت مملکت ایک جمہوری ملک میں ہر باشندۂ ملک کا حق ہے' مگر اس حق کو حاصل وہی کرتے ہیں جو اس کے شرائط کو پورا کریں' ایک گدھا گاڑی ہانکنے والا جاہل بغیر کسی تعلیم و صلاحیت حاصل کئے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے وزیر اعظم کیوں نہ بنایا گیا' ایسے ہی وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو سمجھنے کے لئے عمر کے پچاس سال میں سے پچاس دن بھی نہ خرچ کئے ہوں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم بھی قرآن کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے ماہرین قرآن و سنت' جن کی عمریں اسی میدان کی سیاحت میں گزری ہیں۔

قرآن مجید کی ترتیب بھی عام انسانی تصانیف کی ترتیب سے بالکل مختلف ہے' ایک قصہ لیا جاتا ہے' اس کے ٹکڑے ٹکڑے پورے قرآن مجید میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں' مکرر مکرر آتے ہیں' بلاشبہ اس کلام ربانی کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی گہرا ربط ہے اور اسی وجہ سے وہ دلوں پر قبضہ جماتا ہے' اس کو جتنا پڑھئے طبیعت اکتانے کے بجائے ذوق و شوق اور بڑھتا ہے' گو اس ربط و ترتیب کا ہماری فہم احاطہ نہ کر سکے' اس کی مثال چمن بندی سے پیدا شدہ سبزی اور پہاڑی اور بحری مناظر کی سبزیوں سے دی جا سکتی ہے کہ آخر الذکر میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہوتا' ایک طرف پہاڑ کی اونچی چٹان کھڑی ہے' وہ بھی کسی خاص سانچہ میں ڈھلی ہوئی نہیں' اور دوسری طرف گہرا غار ہے' لیکن اس کی ظاہری بے ربطی اپنے اندر وہ دل ربا ربط رکھتی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ چمن بندی اس کو نہیں پا سکتی۔

اس تمہید سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ قرآن کریم اس زمانہ کے مروجہ دساتیر کی طرح کوئی دفعات پر مشتمل مرتب دستور کی کتاب نہیں' اس میں دستوری مسائل بھی مختلف سورتوں کی مختلف آیتوں میں بکھرے ہوئے ہیں' میں اس وقت دستوری مسائل سے متعلقہ آیات کو بلالحاظ ترتیب قرآنی اس طرح بیان کر رہا ہوں کہ وہ کسی دستوری ترتیب سے قریب ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت پیش نظر کسی مکمل دستور کی تدوین نہیں بلکہ صرف ان دفعات دستور کا بیان ہے جو براہ راست قرآن مجید سے ثابت ہیں' مکمل دستور اسلامی اور اس کی پوری دفعات مدون کرنا ہوں تو ان آیات کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی تشریحات و تعلیمات کو ساتھ ملا کر باسانی کیا جا سکتا ہے' کیونکہ دین کے تمام مسائل کا ماخذ اصلی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی ہیں' واللہ الموفق والمعین۔

حکومت کے اغراض و مقاصد

دفعہ (۱)

(الف) تمام باشندگان مملکت کو عدل و اعتدال پر قائم کرنا۔

(ب) مملکت سے داخلی اور خارجی فتنہ و فساد کو دفع

کرنا۔

(ج) مسلمانوں کے لئے اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ کا انتظام۔

(د) لوگوں کو بھلائیوں پر آمادہ کرنے اور برائیوں سے روکنے کا انتظام۔

طرز حکومت

دفعہ (۲)

حاکم حقیقی صرف اللہ رب العالمین ہے' زمین کی حکومت بنی آدم کو بطور امانت ونیابت سپرد کی جاتی ہے۔

دفعہ (۳)

اسلامی مملکت میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہ پاس ہو سکتا ہے نہ باقی رکھا جا سکتا ہے نہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی انتظامی حکم دیا جا سکتا ہے۔

دفعہ (۴)

اگر کسی قانون کے متعلق عوام اور حکام میں اختلاف ہو کہ وہ موافق شریعت ہے یا خلاف شرع' تو اس کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کر کے کیا جائے گا جس کی عملی صورت ماہرین کتاب و سنت کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دینا ہے' خواہ ماہرین شریعت کا کوئی مستقل بورڈ بنایا جائے یا ایسے حضرات کو اسمبلی میں یا عدالت میں لیا جائے' ان میں سے جو صورت خطرات سے پاک سمجھی جائے اس کو اختیار کیا جائے۔

دفعہ (۵)

(الف) طرز حکومت جمہوری شورائی ہو گا۔

(ب) امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں ہو گا' جس کو وہ اپنے نمائندوں (اہل حل و عقد) کے ذریعہ استعمال کریں گے۔

دفعہ (۶)

حکومت کے مروجہ طریقوں میں سے صدارتی طرز حکومت اسلام کے مزاج اور اصول سے قریب تر ہے۔

حکومت کے فرائض

دفعہ (۷)

ہرگاہ کہ مملکت کے تمام عہدے' تمام اموال و خزائن حکام کے ہاتھ میں بطور امانت ہیں' وہ ان کے مالک و مختار نہیں' اور ان امانتوں کے اہل و مستحق جمہور عوام (باشندگان مملکت) ہیں' اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے:

(الف) ان امانتوں کے مستحقین کو تحقیق و تلاش کر کے پہنچائے۔

(ب) ہر امانت اس کے مستحق کو پہنچائے' غیر مستحق کے قبضہ سے بچائے۔

دفعہ (۸)

مقدمات کا فیصلہ بلا امتیاز مذہب و نسل و رنگ و وطن پورے انصاف کے ساتھ کرے۔

دفعہ (۹)

انصاف مفت ہونا چاہئے' اصحاب معاملہ سے کسی قسم کا معاوضہ کورٹ فیس وغیرہ وصول نہ کرے۔

دفعہ (۱۰)

حکومت کا فرض ہے کہ کسی باشندۂ ملک کی جائز آزادی کو سلب نہ کرے' جب تک اس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو اور اس کو صفائی کا موقع نہ دیا جائے (اس لئے مروجہ سیفٹی ایکٹ اصول اسلام کے خلاف ہے)۔

دفعہ (۱۱)

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ہر مسلمان باشندۂ ملک کو ضروریات دین سے واقف کرنے کا انتظام کرے۔

دفعہ (۱۲)

مملکت کے لئے لازم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں سے جغرافیائی' قبائلی' نسلی اور لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی تعصبات کو دور کرنے اور ملت اسلامیہ کی وحدت واستحکام کے لئے کوشش کرے۔

دفعہ (۱۳)

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ غیر مسلم باشندگان ملک کی جان' مال' آبرو کی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح مسلمان کی کی جاتی ہے۔

دفعہ (۱۴)

جو معاہدہ کسی قوم یا ملک یا جماعت سے کر لیا جائے اس کی پوری پابندی حکومت پر لازم ہے' ظاہراً یا باطناً اس کی کسی شرط کے خلاف کرنا جرم ہے' جب تک کہ معاہدہ کی میعاد پوری نہ ہو جائے' یا اس معاہدہ کو باقاعدہ ختم نہ کر دیا جائے۔

دفعہ (۱۵)

کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی میں مکمل آزادی ہو گی۔

دفعہ (۱۶)

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک کی وہ دولت جس میں سب کے حقوق مساوی ہیں ان کی تقسیم اس طرح کرے کہ تمام اہل ملک اور ان کی آئندہ نسلیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں' ایسا نہ ہو کہ اس دولت پر صرف سرمایہ دار قبضہ کر لیں یا اس طرح تقسیم ہو کہ کچھ لوگ سرمایہ دار بن جائیں اور دوسرے محروم رہ جائیں۔

دفعہ (۱۷)

انفرادی ملکیتیں جو جائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہوں وہ کسی سے ناحق سلب نہ کی جائیں گی۔

صدر مملکت کے اوصاف

دفعہ (۱۸)

(الف) مسلمان ہو کافر نہ ہو۔

(ب) نیک عمل ہو فاسق معلن نہ ہو۔

(ج) علمی اور عملی قابلیتوں میں ممتاز سمجھا جاتا ہو۔

(د) اپنے زمانہ کی سیاست سے اتنا واقف ہو کہ داخلی اور خارجی فتنہ وفساد کی روک تھام کر سکے۔

یہ قرآن کریم کی چند آیات ہیں جو مختصر وقت اور معمولی غور و فکر سے دستوری مسائل پر مشتمل نظر آئیں' ان میں بھی دستور مملکت کی اہم دفعات تقریباً آگئی ہیں' پورا غور اور مکمل تحقیق کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ باقی دستوری مسائل بھی قرآن کریم سے ثابت ہوں۔

اور اصل یہ ہے کہ تمام اسلامی احکام' دستور' قانون میں قرآن کریم ایک اشارہ کرتا ہے اور اس کی تشریح و تبیین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل سے فرماتے ہیں' اس لئے مکمل دستور اسلامی وہی ہو سکتا ہے' جو قرآن کریم کی آیات اور رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے تعامل سے ثابت شدہ اصول پر مبنی ہو۔

مگر اس وقت پیش نظر تدوین نہیں بلکہ درس قرآن کے سلسلہ میں ایک خاص مضمون کی آیت کی یکجا تفسیر کرنا ہے تاکہ قرآن کو سرسری طور پر پڑھنے والے مسلمان دیکھ سکیں کہ براہ راست قرآن مجید سے کس قدر اہم دفعات دستور ثابت ہیں اور دستور ساز اسمبلی کے وہ ممبران جو علماء کی دستوری تجاویز کو محض ملاؤں کے قیاسات سمجھ کر نظرانداز کرنا چاہتے ہیں قرآن کریم کے ارشادات پر مطلع ہو کر دنیا و آخرت کی ذمہ داری محسوس کریں' واللہ الموفق والمعین۔

یحییٰ خان نے بھارت کو بدلہ لینے کا جواز فراہم کر دیا تھا

۱۹۶۷ء کی جنگ میں شکست نے مصریوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان تحریر : عمران این حسین

جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کا اقدام

اسلامی سربراہی کانفرنس کے لئے صومالیہ کے صدر نے جو خطوط ارسال کئے تھے ان کے چند ماہ بعد انڈونیشیا کی کوشش سے ایفرو ایشیا کے مسلمانوں کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس مارچ ۱۹۶۵ء میں جکارتہ میں ہوئی اور صدر سوئیکارنو نے افتتاحی اجلاس سے خطاب کیا جس میں انہوں نے ایک ترقی پسند اسلام پر زور دیا' ایک ایسا اسلام جو مسلمانوں کو اپنی آزادی کے تحفظ اور دنیاوی زندگی بہتر بنانے میں مدد فراہم کرے۔ ناصر کی طرح سوئیکارنو بھی ایک پرجوش قوم پرست' مغرب مخالف اور سامراج دشمن لیڈر تھے۔ "ترقی پسند" اسلام کو فروغ دلانے کے علاوہ اس کانفرنس کے اہم مقاصد میں ایک مقصد ملائشیا کے ساتھ انڈونیشیا کے جھگڑے میں بین الاقوامی طور پر انڈونیشیا کے لئے مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ کانفرنس میں ہندوستان' پاکستان اور چین کے مسلمانوں نے شرکت کی۔ ایران' سعودی عرب اور ترکی اس سے الگ رہے۔

کانفرنس میں چین کی وہ قرارداد منظور نہ ہو سکی جس میں امریکہ اور برطانیہ کو "سامراجی طاقتیں" قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح انڈونیشیا کی وہ قرارداد بھی رد ہو گئی جس میں ملائشیا کی یہ کہہ کر مذمت کرنے کو کہا گیا تھا کہ وہ "برطانیہ کا آلہ کار" ملک ہے۔ انڈونیشیا کی سرپرستی میں قائم شمالی برونائی کی جلاوطن حکومت کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا گیا۔ کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں "انڈونیشیا کے خلاف برطانوی سامراج کی جارحیت اور جنوب مشرقی ایشیا میں اس کی مداخلت" کی پرزور مذمت کی گئی۔ کانفرنس نے سامراجی اور استعماری نظام کے خلاف جدوجہد اور مسلمان عوام کے "حق خود اختیاری" کی حمایت کا اعلان کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ کانفرنس کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی ہو گی اور اس کا صدر دفتر جکارتہ میں ہو گا۔ اس طرح ۱۹۶۵ء تک عالم اسلام میں غیر حکومتی سطح پر تین اسلامی تنظیمیں وجود میں آ چکی تھیں' دی ورلڈ مسلم کانگریس کراچی' دی ورلڈ مسلم لیگ مکہ اور دی ایفرو ایشین مسلم پیپلز کانفرنس جکارتہ۔

۶ روزہ جنگ

جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل ۶ روزہ جنگ میں عربوں کو شکست فاش ہوئی۔ مصر کے محاذ پر پوری غزہ کی پٹی اور سینائی' شام میں گولان کی پہاڑیاں اور اردن میں یروشلم اور پورا مغربی کنارہ اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ جہاں تک زیر بحث موضوع کا تعلق ہے اس جنگ کا فوری اثر یہ ہوا کہ مصر اور دیگر عرب سوشلسٹ ممالک کو سعودی عرب اور کویت کے ساتھ مفاہمت پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں عرب لیگ کے توسط سے خرطوم میں عرب سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب اور کویت نے مصر' شام اور اردن کو مالی امداد فراہم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اور ناصر اور فیصل کے درمیان یمن میں فوراً جنگ بند کرنے پر سمجھوتہ ہو گیا۔

وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو اس جنگ کے نتیجے میں مصر اور سوشلسٹ عرب ممالک کے مقابلے میں سعودی عرب کی پوزیشن خاصی مضبوط ہو گئی اور اس کی اتحاد اسلامی کی تجویز کا فوری خیر مقدم نہ سہی' سعودی امداد کے محتاج ممالک کے لئے اس کی کھلی مخالفت کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ ادھر یروشلم کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ایک غیر معمولی واقعہ تھا جس کی وجہ سے مسلمان حکمران یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی آپس کی ناچاقی سے اسلامی تحریکوں کو سر اٹھانے کا موقعہ مل جائے گا۔ یروشلم پر اسرائیل کے قبضے سے پہلے سیکولر عرب قوم پرستی اور سوشلزم کے زیر اثر اکثر عرب ممالک مشرق وسطیٰ میں جاری محاذ آرائی کو عرب اسرائیل یا عرب صیہونی تصادم کا نام دیتے تھے لیکن اب یہ تصور برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مشرق وسطیٰ کی بجائے اب یہ مسلمانوں کے ایک مقدس شہر پر یہودیوں کے غاصبانہ قبضے کا مسئلہ بن گیا تھا۔

پاکستان وہ واحد ملک تھا جو یروشلم کو اردن کا حصہ تسلیم کرتا تھا اس لئے اسے آگے آنے کا یہ اچھا موقع مل رہا تھا اور اقوام متحدہ میں اس مسئلے پر وہ مرکزی کردار ادا کر سکتا تھا۔ ادھر جنگ میں شرمناک شکست کے بعد مسلمان ممالک نے بھی آپس کے تعاون پر سنجیدگی سے صلاح مشورے شروع کر دیئے تھے جن کے نتیجے میں جلد ہی اقوام متحدہ کے اندر ایک اسلامی بلاک تشکیل پا گیا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ میں مسلمان ممالک کے درمیان پیدا ہونے والے اس باہمی تعاون کو بھرپور طور پر استعمال کیا اور جنرل اسمبلی کے ۱۹۶۷ء کے اجلاس میں یروشلم کی حیثیت کے بارے میں دو قراردادیں منظور کروالیں۔ جنرل اسمبلی میں کامیابی کے بعد ۱۹۶۸ء میں سلامتی کونسل میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ پاکستان جو اس وقت سلامتی کونسل کا رکن تھا یہاں بھی سفارتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہا۔ اس نے اردن کی مدد سے سلامتی کونسل میں بڑی مہارت اور چابکدستی سے یروشلم کا مقدمہ لڑا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ (اردن کو ووٹ کا حق دیئے بغیر صرف بحث میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی تھی)۔ سلامتی کونسل میں کئی قراردادوں کے ذریعے اسرائیلی کارروائی کو چیلنج کیا گیا تھا اور اسے یروشلم کی حیثیت تبدیل کرنے کی خاطر عمل کرنے سے باز رہنے کو کہا گیا تھا۔ یوں ۶ روزہ جنگ میں اسرائیل کی فتح نے اتحاد اسلامی کی کوششوں میں نئے سرے سے جان ڈال دی۔

ملائشیا کی پیشکش

جنوری ۱۹۶۸ء میں ملائشیا کے وزیر اعظم نے مسلمان ممالک کی دولت مشترکہ قائم کرنے کے بارے میں غور کرنے کے لئے ایک اسلامی کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی۔ وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن نے بڑی خوبصورتی سے اپنی تجویز کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے اپنے وزیر اراضی و معدنیات' حاجی

عبدالرحمٰن یعقوب کو صلاح مشورے کے لئے مسلمان ممالک کے دورے پر بھیجا۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے باعث ان کی تجویز کی کہیں بھی مخالفت نہیں آئی۔ انہوں نے مزید یہ احتیاط برتی کہ سربراہی کانفرنس پر زور دینے سے گریز کیا البتہ یہ مطالبہ ضرور کیا کہ کانفرنس میں وزارتی سطح سے کم نمائندگی نہ ہو۔ ان کی کوشش کامیاب ہوئی اور اپریل ۱۹۶۹ء میں کوالالمپور میں اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی کامیابی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یو۔ اے ۔ آر (یونائیٹڈ عرب ری پبلک) کی نمائندگی ایک حکومتی وزیر نے کی لیکن ناصر حکومت کی نمائندگی کرنے کے لئے الگ سے ایک وزیر موجود تھے۔ اسلامی اتحاد اور اسلام کے بارے میں مصریوں کے نقطہ نگاہ میں یہ ایک نمایاں تبدیلی آئی تھی۔

کانفرنس نے دو اہم قراردادیں منظور کیں اور یہ دونوں قراردادیں پاکستان نے پیش کی تھیں۔ پہلی قرارداد میں کہا گیا تھا کہ اس کے بعد ایک اور کانفرنس بلائی جائے جو مسلمان ممالک کو درپیش سیاسی مسائل ' خاص کر یروشلم اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے مسئلے پر بحث کرے۔ دوسری قرارداد میں مسلمان ممالک کے باہمی تجارتی تعلقات کو زیر بحث لانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

کانفرنس کے دوران اس وقت صورتحال خاصی پیچیدہ ہو گئی جب فلسطین کی تحریک آزادی "الفتح" کے وفد نے کارروائی میں شریک ہونے پر اصرار کیا جسے آرگنائزنگ کمیٹی نے فنی وجوہ کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ کانفرنس میں صرف حکومتی نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی تاہم ملائشیا کی حکومت نے الفتح کو کوالالمپور میں اپنا دفتر کھولنے کی اجازت دے کر مسئلہ حل کر دیا۔

۱۹۵۴ء کی مکہ کانفرنس کے بعد حکومتی سطح کی یہ پہلی اسلامی کانفرنس تھی۔ اس کی کامیابی سے یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اگلی کانفرنس ۱۹۶۹ء کے اواخر یا ۱۹۷۰ء کے اوائل میں منعقد ہو جائے گی۔ یہ امکان اس لئے بھی قرین قیاس تھا کہ اس میں بحث کے لئے فلسطین اور یروشلم کی آزادی جیسا انتہائی اہم مسئلہ رکھا گیا تھا۔ ۱۹۶۹ء کے وسط تک یہ بات یقینی نظر آنے لگی تھی کہ اسلامی اتحاد اب زیادہ دور کی بات نہیں ' چنانچہ چار ہی ماہ بعد "دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس" کا قیام عمل میں آ گیا جس سے کام کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔

رباط سربراہی کانفرنس ' ستمبر ۱۹۶۹ء اور دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس کا قیام

تعارف

دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس کا قیام پہلی مرتبہ مراکش ' رباط میں ستمبر ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا۔ ذیل میں ان اسباب و واقعات کا تذکرہ ہے جو اس کانفرنس کے انعقاد کے موجب بنے اور کانفرنس میں ہونے والی کارروائی ' اس کے اعلانیہ اور قراردادوں کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مسجد اقصیٰ میں آگ لگنے کا واقعہ

اسرائیل کے زیر تسلط یروشلم میں واقع مسجد اقصیٰ میں ۲۱ / اگست ۱۹۶۹ء کو آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا۔ گو چند ہی گھنٹوں کے اندر آگ پر قابو پا لیا گیا مگر اتنی دیر میں آگ سے مسجد کو خاصا نقصان پہنچ چکا تھا۔ وہ مشہور منبر بھی جل کر راکھ ہو گیا جو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بارھویں صدی میں مسجد کے لئے تحفہ دیا تھا۔

اس واقعہ سے پورے عالم اسلام میں غم و غصے کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ تمام مسلمان ممالک نے فوراً سلامتی کونسل کو احتجاجی خطوط اور تار روانہ کئے۔ اس کے دو اسباب تھے۔ پہلا یہ کہ الاقصیٰ مسلمانوں کی تین متبرک مساجد میں تیسری مسجد تھی اور اس میں اس وقت آگ لگی جب یہ اسرائیل کے قبضے میں تھی۔ دوسرا سبب جو زیادہ تشویش ناک تھا یہ تھا کہ مسلمانوں کو پہلے ہی شک تھا کہ یہودی مسجد کو گرا کر اس جگہ پر دوبارہ ہیکل سلیمانی (جو ۷۰ء میں تباہ ہو گیا تھا) تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ان خدشات کو خود اسرائیلیوں کے بیانات اور بین الاقوامی پریس کی رپورٹوں سے بھی ہوا ملی تھی۔

اسرائیلی حکومت نے ایک بیان جاری کیا جس میں آگ لگنے کے واقعہ پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آگ لگنے کا سبب معلوم کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔

عرب لیگ کا اجلاس

۲۱ / اگست کو اردن کے شاہ حسین نے تمام عرب سربراہان مملکت کو ایک پیغام بھیجا جس میں فوری طور پر ایک عرب سربراہ کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ شاہ حسین کی تجویز پر غور کرنے کے لئے عرب لیگ کے ممبر ممالک کے وزرائے خارجہ ۲۵ / اگست کو قاہرہ میں جمع ہوئے۔ جن ممالک کے نمائندے وہاں پہنچے وہ یہ تھے ' الجزائر ' عراق ' اردن ' کویت ' لبنان ' لیبیا ' مراکو ' سعودی عرب ' سوڈان ' شام ' تیونس ' یونائیٹڈ عرب ری پبلک اور جنوبی یمن ' ان کے علاوہ پی ایل او کا نمائندہ بھی شریک ہوا۔

اردن کی عرب سربراہ کانفرنس کی تجویز کی مصر اور پی ۔ ایل ۔ او نے خاص طور پر حمایت کی ' تاہم سعودی عرب نے اس کی بجائے اسلامی سربراہ کانفرنس بلانے کی تجویز سامنے رکھی۔ سعودی عرب کی تجویز کے حق میں دو عوامل تھے۔ ایک یہ کہ الاقصیٰ ایک مسجد تھی جو ہر مسلمان کے لئے برابر کے درجے میں مقدس اور اہم تھی اور دوسرے ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شکست کھانے والے عرب ممالک کو سعودی عرب اچھی خاصی مالی امداد دے رہا تھا اور اس وجہ سے عربوں کی سیاست میں سعودی عرب کو نمایاں اثر و رسوخ حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ وزرائے خارجہ نے اسلامی سربراہ کانفرنس بلانے کی اہمیت تسلیم کر لی اور سعودی عرب اور مراکو کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تجویز کو آگے بڑھائیں۔

سربراہ کانفرنس کی تیاریاں

عرب لیگ کے وزرائے خارجہ کی جانب سے سعودی عرب اور مراکو کو سربراہ کانفرنس بلانے کا اختیار ملنے کے بعد دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ نے جدہ میں ستمبر کے پہلے ہفتے میں میٹنگ کی اور سات ممالک کی ایک کمیٹی مقرر کی اور اس کے سپرد کانفرنس کے انتظامات کئے۔ سعودی عرب اور مراکو کے علاوہ کمیٹی میں دوسرے پانچ ممالک پاکستان ' ایران ' ملائشیا ' صومالیہ اور نائیجیریا تھے۔ اس طرح یہ ساتوں ممالک یا تو خود اسلامی اتحاد اور اسلامی سربراہی کانفرنس کی کوشش میں پیش پیش رہ چکے تھے یا اس کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی تھیں ان کی تائید کر چکے تھے۔

کانفرنس کے انتظامات کے لئے قائم کمیٹی نے ۸ اور ۹ ستمبر کو رباط ' مراکو میں باہمی ملاقات کی۔ کمیٹی کے رکن ممالک کی نمائندگی ان کے وزرائے خارجہ نے کی ' اس میں دو موضوع زیر بحث آئے۔ ایک کانفرنس کا ایجنڈا اور دوسرے یہ کہ کن ممالک کو شرکت کی دعوت دی جائے اور ان کے بارے میں جو فیصلے کئے گئے وہ مزید اختلاف کا باعث بن گئے۔ جس

ایجنڈا پر اتفاق رائے ہوا وہ تھا: "اقصیٰ مسجد اور یروشلم کے مقدس شہر کے سوال پر بحث کرنا"۔ اور کسی ملک کو دعوت دینے کے لئے یہ معیار مقرر کیا گیا:

"ان ممالک کو شرکت کی دعوت دی جائے جن میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۵۰ فیصد سے زائد ہو" یا "اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو"۔

ہندوستان چونکہ ان دونوں میں سے ایک شرط بھی پوری نہیں کرتا تھا لہٰذا اس کے بارے میں فیصلہ کیا گیا کہ اسے صرف مبصر کے طور پر شرکت کی دعوت جائے۔

پہلا فیصلہ ایجنڈے کے بارے میں تھا اس پر صف اول کی عرب ریاستیں اور سوڈان غیر مطمئن تھے چنانچہ عراق' شام' مصر اور سوڈان نے یہ مہم شروع کر دی کہ سربراہ کانفرنس سے پہلے وزرائے خارجہ کی میٹنگ ہونی چاہئے (سربراہی کانفرنس ۲۲ ستمبر کو منعقد ہونا قرار پا چکی تھی) ان ممالک کی مرضی یہ تھی کہ ایجنڈا میں مسجد اقصیٰ اور یروشلم کے مسئلے کے ساتھ پورے مشرق وسطیٰ کا مسئلہ شامل کرایا جائے۔

کانفرنس کی تیاری کرنے والی کمیٹی میں شامل ممالک نے سربراہ کانفرنس سے قبل وزرائے خارجہ کی میٹنگ کی اس لئے مخالفت کی کہ اگر ایجنڈے میں مشرق وسطیٰ کے پورے مسئلے کو شامل کیا گیا تو ایران' ترکی اور دیگر مسلمان ممالک جو اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم کر چکے ہیں' سربراہ کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے۔ تاہم اگر انہوں نے شرکت کی بھی تو کانفرنس مسئلے کا حل پیش کرنے کی بجائے آپس کی پھوٹ کا شکار ہو جائے گی اور اسلامی اتحاد کی جانب پیش رفت نہیں ہو سکے گی۔

پاکستان نے وزرائے خارجہ کی میٹنگ کی تجویز کی ایک اور وجہ سے بھی مخالفت کی۔ پاکستان نے اب تک بھارت کی کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ حاصل کرنے کی کوششوں کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا تھا اور وہ اپنی اس کوشش میں اس لئے کامیاب رہا تھا کہ کانفرنس کی تیاری کرنے والی کمیٹی میں شامل ممالک پاکستان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کئے ہوئے تھے لیکن وزرائے خارجہ کی میٹنگ میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ بھارت کی درخواست منظور کر لی جائے کیونکہ بھارت دعوت نامہ حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

بھارت نے سربراہ کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ نہ ملنے پر ملائشیا سے رسمی طور پر احتجاج بھی کیا جس پر وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن نے ترت جواب دیا کہ بھارت کون سا مسلمان ممالک ہے۔ بھارت کے سرکاری ترجمان نے جواب دیا کہ متعدد ممالک نے (نام لئے بغیر ملائشیا کو ان میں شامل کرتے ہوئے) اسے شرکت کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن اب پاکستان کے دباؤ میں آکر وہ کنی کترا رہے ہیں۔

مصر آخری لمحے تک وزرائے خارجہ کی میٹنگ پر اڑا رہا۔ مصر' سوڈان' ایران' عراق اور شام نے تجویز پیش کی کہ وزرائے خارجہ کی میٹنگ نیویارک میں ہو سکتی ہے جہاں ۱۶ ستمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ عراق اور شام نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر یہ میٹنگ نہ ہوئی تو وہ سربراہ کانفرنس کا بائیکاٹ کریں گے۔ مصر کا بھی یہی کہنا تھا کہ اگر یہ کوشش ناکام ہوئی تو ناصر کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے۔

جب ۲۱ ستمبر تک وزرائے خارجہ کی میٹنگ نہ ہوئی تو شام اور عراق نے شرکت سے صاف انکار کر دیا البتہ مصر کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ناصر کے اچانک "بیمار" ہو جانے کے باعث اس کا وفد انور سادات کی سربراہی میں شرکت کرے گا۔

سربراہ کانفرنس

پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس رباط' مراکو میں ۲۲/ ستمبر ۱۹۶۹ء کو شروع ہوئی۔ اقصیٰ مسجد میں آگ لگے ایک ماہ ایک دن ہوا تھا۔ ۲۵ ممالک کانفرنس میں شرکت کر رہے تھے۔ افغانستان' الجزائر' چاڈ' گنی' انڈونیشیا' کویت' لبنان' لیبیا' ملائشیا' مالی' موریطانیا' مراکو' ترکی' یو۔ اے۔ آر اور یمن جن ممالک نے شرکت سے معذرت کر لی وہ تھے نائیجیریا' عراق اور شام۔ غالباً کل ۳۶ ممالک کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی' اس لحاظ سے ۸ مزید ممالک بھی شریک نہیں ہوئے تھے۔

ان سربراہان مملکت و حکومت نے کانفرنس میں شرکت کی۔ شاہ ایران' سعودی عرب کے شاہ فیصل' اردن کے شاہ حسین' کویت کے امیر' الجزائر کے صدر بومدین' پاکستان سے یحییٰ خان' موریطانیا کے مختار اولد دوہ' صومالیہ کے شرمک Sharmake' یمن کے اریانی' افغانستان کے وزیر اعظم نور احمد اعتمادی' اور ملائشیا کے تنکو عبدالرحمان پترا۔ ترکی کے وزیر خارجہ احسان صابری کگلیانگل نے اپنے ملک کی نمائندگی کی۔ مصر اور تیونس کے سربراہ بیمار پڑ جانے کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ ترکی کے وزیر اعظم سلیمان ڈیمرل نے بتا دیا تھا کہ ترکی میں پارلیمنٹ کے انتخابات کی وجہ سے نہ وہ شریک ہو سکتے ہیں نہ صدر۔

لیبیا میں ایک بغاوت کے نتیجے میں یکم ستمبر کو شاہ ادریس کا تختہ الٹ دیا گیا تھا' نئی حکومت ناصر کے حامیوں پر مشتمل تھی چنانچہ اس نے ناصر کی پیروی کرتے ہوئے نچلی سطح کا ایک وفد شرکت کے لئے بھیج دیا۔

شاہ حسن کی صدارت میں کانفرنس کا پہلا اجلاس مختصر طور پر ۲۲/ ستمبر کی شام کو ہوا اور تین میں سے دو مسائل کا اجلاس کو فوری سامنا کرنا پڑا جن کے بارے میں بعض ممالک نے خواہش ظاہر کی کہ سب سے پہلے ان کو نپٹا لیا جائے۔ الجزائر نے پی۔ ایل۔ او کو مبصر کے طور پر شریک کرنا چاہا۔ ایران اور ترکی نے جن کے اسرائیل کے ساتھ مراسم تھے الجزائر کی تجویز کی مخالفت کی تاہم کانفرنس نے اس مخالفت کے علی الرغم الجزائر کی تجویز منظور کر لی۔

دوسرے' کانفرنس میں بھارت کو شرکت کی دعوت دینے کا مسئلہ اٹھایا گیا۔ شاہ فیصل نے اس کی مخالفت کی اور بیشتر وفود نے شاہ فیصل کی تائید کر دی۔ لیکن پاکستان کی طرف سے مخالفت نہ ہونے پر کانفرنس کے صدر شاہ حسن نے بھارت کو شرکت کی دعوت دے دی۔

بھارت' پاکستان

اگلی صبح جب یہ خبر پاکستان پہنچی تو اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا۔ اس وقت تک ۲۳/ ستمبر کی صبح کا اجلاس شروع ہو چکا تھا' صدر یحییٰ کو ملک میں ہونے والے احتجاج کی خبریں مل رہی تھیں۔ پیپلز پارٹی کے سربراہ زیڈ۔ اے۔ بھٹو نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "میرے نزدیک تو اس دعوت کا مطلب پاکستان کے نظریہ کی ہی نفی ہے۔ یہ فیصلہ ہمارے لئے انتہائی نقصان دہ اور تباہ کن ہے"۔

پاکستان میں اس لئے بھی صورت حال پیچیدہ ہو گئی کہ ۱۶/ ستمبر سے بھارت میں مسلم کش فسادات کی خبریں شائع ہو رہی تھیں۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ ۱۷/ ستمبر کو احمد آباد میں مسلمانوں کے خلاف جو فسادات شروع ہوئے ہیں وہ بھارت کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت نہ دینے کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ اس کے بھارت نے فسادات کے لئے پاکستانی حکومت کو قصوروار ٹھہرایا۔

احمد آباد کے فسادات مسلمانوں کے لئے سخت تشویش کا باعث تھے۔ اگرچہ ہفتے کے دوران مرنے

والوں کی تعداد کے بارے میں متضاد خبریں آ رہی تھیں (رائٹر کی ایک رپورٹ میں یہ تعداد ایک ہزار بتائی گئی تھی) لیکن اس میں شک نہیں کہ بھارت کی تاریخ میں یہ بدترین مسلم کش فسادات تھے۔ پاکستانی اخبارات میں ایک ہفتے سے متواتر قتل و غارت گری' لوٹ مار' مسجدوں پر حملوں اور عورتوں کی بے حرمتی کے واقعات شائع ہو رہے تھے۔ جب لوگوں کو یہ خبر ملی کہ یحییٰ خان مسلم سربراہ کانفرنس میں بھارت کی شرکت پر راضی ہو گئے ہیں تو ان کے اس فیصلے کی جس شدت سے فوراً مذمت کی گئی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ رباط سے واپسی پر یحییٰ خان کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۲۳/ ستمبر بعد دوپہر رباط میں مقیم ہندوستانی سفیر' گوربچن سنگھ نے سربراہ کانفرنس میں بھارت کی شرکت کا دعوت نامہ وصول کیا۔ مراکو کے وزیر خارجہ نے کانفرنس کے ترجمان کی حیثیت سے اعلان کیا کہ بھارتی وفد شرکت کے لئے روانہ ہو چکا ہے اور جب تک وہ یہاں نہیں پہنچتا بھارت کی نمائندگی اس کے سفیر گوربچن سنگھ کریں گے۔ یہ اعلان ۲۳/ ستمبر کو کانفرنس کے صبح کے اجلاس کے بعد دوپہر کے کھانے کے وقفے کے دوران کیا گیا تھا لہٰذا یہ اعلان پاکستانی وفد کے علم میں ہونا قدرتی بات تھی۔

۲۳/ ستمبر کو بعد دوپہر جب اس روز کا دوسرا اجلاس رباط کے ہلٹن ہوٹل میں شروع ہوا تو گوربچن سنگھ کو ہندوستانی وفد کے سربراہ کے طور پر اس میں جگہ دی گئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر' پروفیسر عبدالعلیم جنہیں بعد میں ہندوستانی وفد کا رکن نامزد کیا گیا تھا' کانفرنس کے شروع ہونے سے پہلے ہی رباط میں موجود تھے لہٰذا وہ بھی کانفرنس روم میں موجود تھے۔

یحییٰ خان اور پاکستانی وفد پہلے وقفے تک اجلاس میں بیٹھے رہے۔ اس کے بعد یحییٰ خان ہال سے باہر چلے گئے اور واپس آنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے بھارتی مسلمانوں کے نمائندہ وفد کی شرکت پر رضامندی ظاہر کی تھی (ایک سکھ گوربچن سنگھ مسلمانوں کا نمائندہ نہیں ہو سکتا تھا) لیکن جو وفد شرکت کر رہا ہے وہ بھارت کی حکومت کا نامزد کردہ ہے (یعنی اس کی حیثیت حکومتی وفد کی ہے) لہٰذا وہ اس کے ساتھ ایک میز پر نہیں بیٹھ سکتے۔ چنانچہ وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ کر مقیم ہو گئے جس سے ایک بہت بڑا سفارتی اور سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔

متعدد سربراہان مملکت جن میں شاہ فیصل' شاہ حسین اور شاہ ایران شامل تھے نے یحییٰ خان کی قیام گاہ پر جا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یحییٰ خان اپنی ضد پر اڑے رہے۔ وہ صرف ایک ہی صورت میں کانفرنس میں واپس آنے پر راضی تھے کہ بھارتی وفد کو وہاں نہ بٹھایا جائے۔ حکومتی سربراہان نے ہندوستانی سفیر سے بھی تبادلہ خیال کیا کہ کیا وہ یہ پسند کریں گے کہ کانفرنس میں ہندوستان میں ہونے والے فسادات کے بارے میں بات کی جائے۔ ہندوستانی سفیر نے احترام کے ساتھ اس کی اجازت دینے سے معذرت کر لی' اس نے کہا یہ ہندوستان کا اندرونی مسئلہ ہے۔ اسے اگلے اجلاس سے رضاکارانہ طور پر باہر رہنے کے لئے کہا گیا مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ درحقیقت ہندوستانی سفیر جس مشکل صورت حال سے دوچار تھے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ تھا بھی نہیں۔

بالآخر حکومتی اور ریاستی سربراہان آپس کے صلاح مشورے کے بعد اس فیصلے پر پہنچے کہ ہندوستانی وفد کو کانفرنس میں شریک ہونے سے روک دیا جائے۔ چنانچہ اگلی صبح ۲۴/ ستمبر کے اجلاس میں یحییٰ خان شامل تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ واپس جا کر اپنے خلاف مظاہروں کا سامنا کرتے ہندوستان کو کانفرنس سے نکلوا کر الٹا ہیرو بن گئے لیکن ہندوستان کو اس طرح کھلے بندوں بے عزت کر کے اس نے یہ جواز فراہم کر دیا کہ وہ بھی بدلے میں اسی طرح پاکستان کو رسوا کر سکے۔ ہندوستان کو بدلہ لینے کے لئے زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا' دو سال بعد ہی اس نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔

گوربچن سنگھ کو بتا دیا گیا تھا کہ کانفرنس کے آئندہ منعقد ہونے والے اجلاسوں میں اسے شریک ہونے کی اجازت نہیں ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ ۲۴/ ستمبر کی صبح رباط ہلٹن میں پہنچ گیا۔ چنانچہ مراکو کے پروٹوکول افسر نے اسے اندر جانے سے روک دیا جس پر اس نے ہوٹل کی لابی میں ایک پریس کانفرنس منعقد کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اسے سختی سے ہوٹل سے چلے جانے کا کہا گیا اور بتایا گیا کہ ہوٹل کے احاطے میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

چند گھنٹے بعد ہندوستانی وفد کے سربراہ' وزیر صنعت و ترقی فخرالدین علی احمد رباط کے ایئرپورٹ پر پہنچے۔ انہوں نے کانفرنس میں لے جائے جانے کا کہا مگر مراکو کے پروٹوکول آفیسر انہیں ان کی قیام گاہ پر لے گئے اور اس وقت تک وہاں رکھا جب تک اس روز کا کانفرنس کا اجلاس ختم نہیں ہو گیا۔

ستمبر ۲۴ کو رات گئے کانفرنس کا اختتامی اجلاس منعقد ہوا اور رباط کے اعلانیہ اور قرارداد کی منظوری پر کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچی۔ (جاری)

امریکی جیلر کے نام ایک خط

لندن سے ابی ستار (Abbie Satar) نے سپرنگ فیلڈ میں میڈیکل فسٹلی جیل کے انچارج مارٹی انڈرسن کو ایک خط ارسال کیا ہے جو "کرسینٹ انٹرنیشنل" کے جولائی ۱۔۱۵ کے شمارے میں چھپا ہے اس میں انہوں نے جیل میں شیخ عمر عبدالرحمٰن پر ہونے والے تشدد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ ایک بوڑھے نابینا کے ساتھ اس قدر برا سلوک روا رکھتے ہیں وہ درحقیقت اپنا گھناؤنا چہرہ ظاہر کرتے ہیں۔ گزشتہ اٹھارہ مہینوں میں امریکہ میں کالوں کے ۳۴ چرچوں کا جلایا جانا اسی درندگی کا ایک مظہر ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کے باوجود امریکی باقی دنیا کو اپنے نقش قدم پر چلانے کی آرزو لئے ہوئے ہیں اگر خدانخواستہ کہیں ایسا ہو گیا تو یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔

شیخ عمر کو اذیت دینے والے اہلکاروں پر مجھے ترس آتا ہے۔ شیخ عمر تو نابینا ہیں مگر یہ بہ ظاہر آنکھوں والے دن بھر کی یہ کمائی لے کر اپنے گھروں کو جاتے ہیں؟ جس قوم کے افراد کی اخلاقی گراوٹ کا یہ حال ہو انہیں برا بھلا کہنے کا کیا فائدہ؟ وہ تو آپ اپنے دشمن ہیں۔

نوع انسانی' بالخصوص امریکی معاشرے کو اس دلدل سے نکالنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اسلام' کاش کہ دنیا کے مسلمان امریکہ کی "بڑائی" کرنے کی بجائے اللہ کی بڑائی کرنے کی طرف رجوع کریں۔

خون تو وہ طبقہ چوس رہا ہے جو حکومت میں ہے

کیا عجب کسی دن ایک پاکستانی دیوگوڑا حقیقتاً اور عملاً برسر اقتدار آجائے

ان لوگوں نے اپنے اور عوام کے درمیان ایک خوشنما پردہ حائل کیا ہوا ہے

حمیدہ کھوڑو

ایوب خان کی آمریت سے لے کر اب تک حکومت پاکستان نے تین زرعی اصلاحات بہ تسلسل جاری کی ہیں' اگر ملک میں آئینی حکومت ہوتی تو ان اصلاحات کو صوبائی خود مختاری میں مداخلت سے تعبیر کیا جاتا ہے' کیونکہ زراعت صوبائی معاملہ ہے' لیکن اس بات کو اتنا وزن نہ دیجئے کیونکہ طاقت استعمال کرنے والے اس قسم کی باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ ۱۹۵۹ء - ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۷ء کی زرعی اصلاحات میں اراضی کی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کی گئی تھی۔ آخری دو اصلاحات ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں نافذ کی گئی تھیں۔ عملی طور پر ان کا تعلق ملک کی اقتصادی بہبود سے نہیں تھا' حقیقتاً یہ سیاسی ایجنڈے کا حصہ تھیں۔

ملک کے دوسرے حصوں میں اراضی کی حد مقرر کرنے کی ضرورت شاید درست ہوگی لیکن سندھ میں تو سرکاری زمین اتنی بڑی مقدار میں موجود تھی کہ اس صوبے کے ہر مرد' عورت اور بچے کو باسانی اس میں سے حصہ دیا جاسکتا تھا۔ حکومت نے جو راستہ منتخب کیا وہ یہ تھا کہ کوٹری' گدو اور سکھر بیراجوں سے سیراب ہونے والی نئی زرعی زمینوں کو سرکاری ملازموں اور فوجی افسروں میں انعام کے طور پر اور تربیلا ڈیم اور منگلا ڈیم کے متاثرین میں تبادلے کے طور پر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ بلاشبہ اس کے خلاف سندھ میں ناراضی کا احساس پیدا ہوا تاہم اس سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ اس صوبے میں بہت سی فالتو زرعی اراضی موجود تھی اور یہاں اراضی کی بھوک بالکل موجود نہیں تھی۔ اس خطے کے لوگ اراضی خرید سکتے تھے لیکن ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ گزشتہ ادوار میں ان کے ساتھ جو امتیازی سلوک کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کی گزر اوقات بھی مشکل ہو رہی تھی۔

ایوب خان کی زرعی اصلاحات میں ملکیتی اراضی کی سابقہ حد کم کر دی گئی' دستیاب زمین کو ہاریوں میں تقسیم کیا گیا' لیکن یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زراعت کی اصلی حالت کو ملحوظ نظر نہیں رکھا گیا تھا۔ ایک ہاری کو ۱۶ یا ۲۰ ایکڑ اراضی کا مالک بنا دینا کافی نہیں تھا' اراضی کے ساتھ اسے وہ مراعات دینی بھی لازم تھیں جو اسے زمیندار سے فصل کے حصے داری نظام میں حاصل ہوتی تھیں۔ جب برے وقتوں میں فصل ناکام ہو جاتی تو ہاری نقصان نہیں اٹھاتا تھا' زمیندار اسے نہ صرف کھانے کے لئے خوراک فراہم کرتا تھا بلکہ دیگر امور میں بھی اس کی مدد کرتا تھا۔ زرعی اصلاحات نے ہاری کو آسان اقساط پر زمین تو دے دی لیکن اسے کوئی اور سہولت دستیاب نہیں تھی۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد بڑی تاخیر سے تکاوی قرضے جاری کئے گئے' لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان قرضوں کا زیادہ حصہ بینک اور حکومتی اہلکاروں نے کمیشن میں کھینچ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصے کے بعد یہ ہاری زمینداروں کے پاس جانے لگے کہ فصل کی حصے داری کے سابقہ طریق کار کے مطابق انہیں کاشت کے لئے زمین دی جائے۔

بھٹو کے دور میں جو زرعی اصلاحات دو مرتبہ ہوئیں وہ بھی بے زمین ہاریوں کے لئے غیر سود مند ثابت ہوئیں۔ ان اصلاحات سے بھی ہاریوں کو مطلوبہ فائدہ نہ ہوا۔ یہ سب غیر متوقع نہیں تھا کیونکہ ان اصلاحات کا مقصد صریحاً یہ تھا کہ دیہات کی سیاسی قوت کو ختم کر دیا جائے۔ حکمرانوں کا مقصد محروم ہاریوں کو انصاف فراہم کرنا نہیں تھا۔ ۱۹۷۲ء کی زرعی اصلاحات اور بھٹو حکومت کی پالیسی موجودہ سیاسی نظام کے لئے تباہ کن تھی۔

اس دور میں پولیس اور انتظامیہ کو سبز جھنڈی دکھا دی گئی کہ وہ روایتی سستے اور فوری انصاف کا طریقہ اختیار کریں۔ اس کے لئے انہیں دیہات میں براہ راست مداخلت کی اجازت دے دی گئی۔ "فیوڈل نظام" کی آڑ میں اس معاشرتی نظام کو بھی برباد کر دیا گیا جو طویل عرصے سے بہتر طور پر کام کر رہا تھا۔ اس کے برعکس اب دیہاتی عوام سے براہ راست پولیس معاملہ کرنے لگی' دیہات کے لوگوں کو فرسودہ انتظامیہ اپنا شکار بنانے لگی اور پھر نتیجہ وہ ہوا جو ہمارے سامنے ہے۔ آج دیہات میں قانون کے ان محافظوں کی دراز دستی سے کوئی کنبہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر کہیں جرم سرزد ہوتا ہے تو مجرم اور مظلوم میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ سب "نمک مکا" کرتے ہیں جو طلبیدہ رقم ادا کر دیتا ہے' وہ چھوٹ جاتا ہے' اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ واردات راہزنی کی ہے یا ڈکیتی کی' قتل کی ہے' یا جبری عصمت دری کی۔ ہر جرم کی قیمت مقرر ہے' ہر کسی کو قیمت معلوم ہے' ادا کیجئے اور رہائی پا لیجئے۔

معاشرہ کے روایتی راہنماؤں کو دشنام طرازی اور اہانت کا شکار بنایا گیا ہے' روایتی نظام تباہ و برباد کر دیا گیا ہے' اس نظام کا مناسب متبادل تاحال جاری نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف انتشار' افراتفری اور اضطراب ہے۔

جب ووٹ دینے کا وقت آتا ہے تو اپنے حقوق سے محروم اور حاکموں کی بداعتدالیوں کا شکار ہونے والے ووٹروں کو ایک دفعہ پھر زندگی کی آس لگ جاتی ہے' وہ سوچتے ہیں کہ شاید ان کے بیٹے کو کلرک یا چپڑاسی کی نوکری مل جائے' وہ ان لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں یا جو ان کے مسائل سے آشنا ہیں' یہ ان کے پرانے روایتی سیاسی لیڈر ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدنام زمانہ قسم کے زمیندار پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اب یہ تو ممکن نہیں کہ جب تک ووٹروں کی زیادہ تعداد دیہات میں آباد ہے تو شہر میں رہنے والے وکیل اور قانون دان ان سے ووٹ حاصل کر سکیں۔ دیہات کے لوگ شہر والوں کو منتخب کر لیں۔ یہ زندگی کی ایک ایسی ظالم اور جراحت آمیز حقیقت ہے جسے شہر کے دانشوروں کو قبول کرنا پڑے گا۔ ہمارے خیال میں "جاگیرداروں" کے خلاف جو زبردست پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دیہات والے شہر والوں کو ووٹ دینے

سے گریزاں ہیں۔ شاید اسی کا نام سیاست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دیہاتی وضع کے لوگوں سے بھری ہوئی یہ اسمبلیاں محض آرائشی ہیں' عوام نے ان لوگوں کو اس امید پر ووٹ دیئے ہیں کہ ان میں کچھ آثار جمہوریت کے بھی موجود ہیں' انہیں توقع ہے کہ ان کے نمائندے ان کو کچھ مراعات لے کر دیں گے' ان مراعات سے انہیں آسودگی حاصل ہوگی لیکن اس قسم کی سب توقعات غلط ہیں۔ ہمیں اس نظام میں بھلائی کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک عوام یہ باور کرتے رہے کہ اصل طاقت اسمبلیوں میں نہیں ہے اور طاقت کا سرچشمہ کہیں اور ہے۔ یہ بات درست ہے کہ پرانی سلطنت کا آہنی ڈھانچہ تاحال قائم ہے اور پاکستان میں وہی پرانا نظام زندہ ہے۔ وہی لوگ حکمرانی کر رہے ہیں جن کی تربیت پرانے نظام کے تحت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے عوام کے سامنے ایک مہین اور مہنگے پردے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

ہمیں تاحال یہ علم نہیں کہ ہماری طنابیں کون کس رہا ہے۔ ہماری قسمت کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے' تاہم یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ حکومت عوام کی دسترس میں نہیں ہے۔ حکومت کی طاقت جس کسی کے پاس بھی ہے وہ ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "عدم تحفظ" کا شکار ہے۔ اسے گمان ہے کہ اسے ایک دن یہ مسند چھوڑنی پڑے گی اور اقتدار عوام کے صحیح نمائندگان کے سپرد کرنا ہوگا۔ اس دور کے عوام سیٹلائٹ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں اس سے وہ تربیت کے ایک نئے دور سے گزر رہے ہیں۔ شاید اس قسم کی چیزوں سے وہ اپنا ایسا مزاج بنا لیں کہ وہ اپنی اسمبلیوں اور وزیراعظموں کا صحیح انتخاب کر سکیں اور پھر کسی دن ایک پاکستانی ڈیوا گوڈا حقیقتاً اور عملاً برسراقتدار آ جائے جو چھپی ہوئی طاقتوں کے کرپٹ اور فرقہ پرست ایجنٹ کو کان سے پکڑ کر اقتدار کے ایوان سے باہر نکال دے۔

کچھ لوگ اس دن کی پیش بندی کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا بہترین طریق یہ ہے کہ جاگیرداروں کو بھک سے اڑا دیا جائے۔ اس سرزمین کے ان گنت دیہاتیوں کو تعلیم سے محروم رکھیں' انہیں پینے کے لئے صاف پانی نہ دیں' وسائل اور مواقع مہیا نہ کریں' ان کی امیدوں کو پامال کر دیں' انہیں شہری زندگی اور اس کی آسائشوں اور سہولتوں کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہو۔

آج صورت یہ ہے کہ بیرونی ممالک سے اربوں کھربوں روپے کی امداد اور قرض لے کر کارخانوں میں جھونک دینے کے باوجود ملک کے بہت سے صنعتی یونٹ بیمار پڑے ہیں اور بیرونی زرمبادلہ کی کثرت کسانوں اور ہاریوں کے خون پسینے کی محنت سے حاصل ہو رہی ہے۔ ہمارے کپڑے کی صنعت کا دارومدار کپاس پر ہے جو زمینداروں سے بہت سستی خریدی جاتی ہے۔ چاول کی برآمد سے کروڑوں روپے حاصل کئے جاتے ہیں لیکن دھان اگانے والے کو اتنا پیسہ بھی نہیں دیا جاتا کہ وہ زندہ رہ سکے۔

فی الوقت کتنے لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے کہ کسان کے لئے چاول اور گندم پیدا کرنا اقتصادی لحاظ سے خسارے کا کام ہے۔ ان فصلوں پر جو خرچ آتا ہے وہ آمدنی سے بہت زیادہ ہے لیکن ہمارے کسان ایک "اقتصادی انسان" کی طرح نہیں سوچتے' نہ کام کرتے ہیں' وہ خوراک اس لئے پیدا نہیں کرتے کہ اس سے انہیں کثیر منافع ہوگا بلکہ وہ خوراک ہمارے خاندانوں کا پیٹ بھرنے کے لئے پیدا کرتے ہیں۔ خلق خدا کے لئے خوراک پیدا کرنا ان کی عادت بن چکی ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے اخبارات اور ٹی وی کا افسانوی کردار "جاگیردار" ہے' وہ کسانوں کی کمائی نہیں اڑا رہا' ان کی بنائی ہوئی ملائی نہیں کھا رہا' ان کا خون تو حکومت چوس رہی ہے' ان کی محنت کا ثمر تو درمیانی ایجنٹ ان سے چھین رہا ہے۔ یہ سب مل کر ملک کو دنیا کے غریب ترین ممالک کی صف میں کھڑا کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ملک کے دشمن کو پہچانیں اس دشمن سے بچنے کی کوشش کریں۔

انڈیا میں ووٹ کی طاقت کا مظاہرہ

پہلی نگاہ میں بھاگوتی دیوی بہ مشکل نئے ہندوستان کی نمائندہ دکھائی دیتی ہے۔ ۶۴ سالہ' چھوٹے قد کی یہ خاتون صرف اپنا نام لکھ سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا تعلق اچھوت قوم سے ہے' یعنی مشاہر قوم سے جو چوہے پکڑنے کا کام کرتی ہے (اور خود بھی کھاتی ہے)۔ کچھ عرصہ قبل یہ صورت حال تھی کہ اچھوت قوم کے فرد کا کسی اونچی ذات کے برہمن پر سایہ بھی پڑ جاتا تو اچھوتوں کی پوری بستی جلا دی جاتی۔ کوئی اس کا نام لینا بھی پسند نہ کرتا۔ مگر اب وہ حالت نہیں رہی' چنانچہ بھاگوتی پارلیمنٹ کی سیٹ پر منتخب ہو کر دہلی جاتی ہے اور معاشرے کے دھتکارے ہوئے طبقے سے اٹھ کر ہندوستان کے حکمران طبقہ میں شمولیت اختیار کرتی ہے۔

چین اور انڈونیشیاء میں بسنے والے غریب کسان بھی قسمت بدلنے کے خواب دیکھتے رہے ہوں گے' مگر ہندوستانی عوام کے ہاتھ میں ووٹ کی طاقت ہے جس سے بنیادی تبدیلی عمل میں آ رہی ہے۔ آزادی سے لے کر اب تک ملک پر مرکز کی حکمرانی رہی ہے لیکن اب اختیارات علاقوں کو منتقل ہو رہے ہیں۔

بھاگوتی جس حکومت میں شامل ہے وہ بھی اس کی طرح نچلے طبقہ پر مشتمل ہے۔ وزیراعظم' ایچ۔ ڈی۔ دیوگوڈا ایک غیر معروف علاقائی سیاستدان ہے جسے ہندی بولنا بھی نہیں آتی۔ اس کی ۲۱ رکنی کابینہ میں کوئی برہمن اور ٹھاکر نہیں۔ وزیر دفاع ایم۔ ایس یادو کا تعلق پسماندہ گجر برادری سے ہے جس نے کشتی کے مقابلوں سے پیسہ حاصل کر کے اپنی تعلیم کا خرچ پورا کیا۔ دیوگوڈا کی ملی جلی سرکار کا انحصار جن تین جماعتوں پر ہے ان تینوں کا تعلق نچلے طبقے سے ہے اور اعتدال پسند شمار ہوتی ہیں۔ جب وزیر خزانہ پی چدم برام معاشرے میں بھلائی اور ہمدردی کو پروان چڑھانے کی بات کرتے ہیں تو ان کی یہ بات ایک روایتی ہندوستانی سیاستدان کی بات لگتی ہے لیکن وہ جو کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے پیش نظر اس پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ چدم برام اکلوتے وزیر ہیں جو ہارورڈ کے تعلیم یافتہ ہیں اور طبقہ اشرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان پر زیادہ تر ایک ہی جماعت کانگرس کی حکومت رہی ہے اور اس میں بھی نصف سے زیادہ عرصہ دو باپ بیٹی' جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی حکمران رہے اس لئے اشرافیہ طبقہ کی نمائندہ کانگرس اپنی موجودہ ثانوی حیثیت قبول کر کے بیٹھ نہیں سکتی۔ خصوصاً اس لئے کہ اب بھی ہندوستان میں اندرا گاندھی کے پرستاروں کی کمی نہیں' اندرا گاندھی کے دور میں جو لگ بھگ اٹھارہ برس ہندوستان میں سیاہ و سفید کی مالک بنی رہی تمام ذرائع پیداوار مرکز کے کنٹرول میں تھے۔ اب بھی مرکزی حکومت ملک کی سب سے بڑی پیداواری صنعت کی مالک ہے۔ لوہے اور سیمنٹ کی صنعت سے لے کر جنگی ساز و سامان کی تیاری تک سب مرکز کے کنٹرول میں ہے۔

اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ درحقیقت اندرا گاندھی

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

بحیثیت قوم ہم موت کے دہانے تک پہنچ چکے ہیں

بدی کو بدی جانتے ہوئے بھی مہر بہ لب رہنا سب سے بڑا جرم ہے

حبیب اللہ شاہد

برق رفتار ذرائع آمد و رفت اور الیکٹرانی میڈیا نے دنیا سمیٹ کر ہمارے قدموں میں رکھ دی ہے۔ صاحب استطاعت و سیلانی حضرات کے لئے بحر روم و احمر کے ساحلی ممالک تک رسائی محض چند گھنٹوں کی بات ہے وگرنہ دستاویزی فلموں نے ان علاقوں کو تقریباً ہر ایک کی دسترس میں پہنچا ہی دیا ہے۔ عراق، شام، مصر، فلسطین، ترکی، یونان اور روما کرۂ ارضی کے وہ مقامات ہیں جہاں دنیا کی عظیم تہذیب نے جنم لیا۔ تاریخ کا مسافر شوکت پارینہ کی کسی بھی یادگار کی جانب سرگرم سفر ہوتا ہے تو قلب پر ایک اضطراری کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ چشم تصور سواد شہر کے پس منظر میں ان امراء، علماء، تجار، سپاہیوں، کاریگروں اور مزدوروں کو دیکھتی ہے جو قافلے کی مانند اس مقام پر آئے اور گزر گئے۔ ایسے میں سورۃ الانبیاء کی آیات (۱۱ تا ۱۵) ایک جیتی جاگتی تفسیر بن کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

"لاریب کتنی ہی اقوام تھیں جو اپنے ظلم اور دوہرے نظام عدل کے باعث تباہ ہو گئیں۔ ان اقوام میں ایسے ناصح بھی تھے جو اپنی قوم کو ان کی روش کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کرتے رہے لیکن اس بدنصیب قوم نے ان کی نصیحت کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ وہ اپنے تئیں مطمئن تھے کہ ہم جس راہ پر بگٹٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں اس سے ہمیں فروغ حاصل ہو رہا ہے اور ہمارے تمدن و تجارت پھل پھول رہے ہیں۔ وہ اپنے ناصحوں اور علماء کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ ہماری عقل و نظر اور ہمارا علم و ہنر زمانے کے سیل سبک سیر کے آگے، ہمیں کبھی بھی خس و خاشاک کی مانند نہ بننے دے گا۔ وہ نادان اس امر سے واقف نہ تھے کہ ان کی روش غیر مرئی طور پر ان کے معاشرے میں اپنے زہریلے اثرات مرتب کرتی چلی جا رہی ہے۔ بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب موت کا سرد لمس انہیں محسوس ہونے لگا۔ تباہی و بربادی کو سامنے پا کر انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے کی سعی کی، تب قانون مکافات عمل نے انہیں للکارا اور کہا ٹھہر جاؤ! تم کہیں بھی فرار نہیں ہو سکتے۔ پلٹ جاؤ، اپنے عالیشان محلات اور سامان تعیش کی جانب اور جواب دو کہ اس قدر مال و زر تم نے کیسے کشید کر لیا؟ اور وہ کون مظلوم تھے جن کی زبوں حالی کے بل بوتے پر تم داد عیش دیتے رہے اور جن کے خون جگر سے اپنی آرزوؤں کی آبیاری کرتے رہے؟ انہیں فطرت اپنے قوانین کے نفاذ کے لئے ایک مجرم بنا کر کٹہرے میں لے آئی تو انہوں نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ یہ داد عیش ہم اپنے ظلم، جبر، سفاکی اور استحصال کی بنا پر دیتے رہے، تسلیم کہ ہم نے ظلم کیا، ہم ہی ظالم ہیں لیکن ہمیں بخش دیا جائے۔ ہماری خطائیں معاف کر دی جائیں۔ ہم اپنے ظلم کی تلافی ضرور کر لیں گے۔ تاہم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی مدت ان کے لئے ختم ہو چکی تھی، ان کی فریادوں نے فطرت کی تعزیروں کو ذرا بھی موم نہ کیا، ان کی پکار بے فائدہ ثابت ہوئی اور وہ قوم ایسی ہو گئی جیسے کوئی کٹا ہوا کھیت ہو یا بجھی ہوئی راکھ" (الانبیاء : ۱۱-۱۵)

جگہ جگہ بکھرے ہوئے محلات باردہ دریوں، شہروں اور قلعوں کے یہ کھنڈرات نہ صرف ہمیں ان عظیم تہذیبوں کی شوکت پارینہ کی یاد دلاتے ہیں بلکہ یہ سبق بھی دیتے ہیں کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
(اقبالؒ۔ ضرب کلیم)

بلاشبہ اس حقیقت سے مفر نہیں کہ اقوام کو اپنے اعمال کی سزا یا جزا اسی عالم میں سمیٹنی پڑتی ہے اور سزا بھی ایسی کہ کان لم یغنو فیھا (سورۃ ہود ۶۸ اور ۹۵) وہ ایسے کر دیئے گئے کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ ان تہذیبوں کے کھنڈرات نہ صرف اہل بینش بلکہ ہر فرد کو اس امر کی یاد دہانی کراتے رہتے ہیں کہ جب ان تہذیبوں نے بدمعاملگی، بدفطرتی، بداخلاقی، بے راہ روی، بے اصولی اور بے انصافی کے تاریک راستوں کو اپنے لئے منتخب کیا تو فطرت نے ان اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی۔

فراعین مصر، اشوریوں، سمیریوں، بابلیوں، فینشیوں، بازنطینوں، رومنوں، یونانیوں، امویوں، مغلوں اور عثمانیوں نے اس کرۂ ارض پر نہایت طاقت ور ریاستیں قائم کیں اور اپنی جاہ و حشمت کو صدیوں تک کامیابی سے برقرار رکھا۔ انہوں نے دنیا کو حروف حجی، تحریر، کتاب، مذہب، فلسفہ، طب، کیمیا، طبیعیات، حساب، قانون، انجینئرنگ اور ریاستی علوم عطا کئے لیکن ان علوم اور اپنی ذہانت و جاہ و حشمت کے باوجود یہ عظیم الشان تہذیبیں قرطاس ارض پر ایک حرف غلط کی طرح مٹ گئیں

اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر، ہیں خس و خاشاک
اقبالؒ

تہذیب کے عروج و زوال کا مطالعہ کرنے والے تمام اہم محقق اور قابل ذکر مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ جسمانی نشاط انگیزی کے حصول کے لئے اخلاقی حدود کی پامالی، مقتدر افراد کی سازشیں، بدعنوانیاں، اقربا پروری، بدخواہی، آپس کی ناچاقیاں، خلق خدا پر ظلم، جبر، سفاکیاں، عدل و انصاف کا دوہرا معیار، تجارتی و ریاستی معاملات میں بدمعاملگیاں اور رشوت خوری وہ صفات تھیں جن کے پیدا ہونے پر فطرت کے مسلمہ اصول ان تہذیب پر اس طرح اطلاق پذیر ہوئے کہ اس قدر شان و شوکت، جاہ و حشمت اور اپنی رعونت کے باوجود ان کی موت پر نہ کوئی آنکھ اشک بار ہوئی اور نہ ہی فسوں کے سائے کسی قلب حزیں پہ سایہ فگن ہوئے۔ جبھی تو اہل بینش کو یہ شکایت رہی ہے کہ روبہ زوال قوم وقت کی اہمیت نہیں سمجھتی اس کی قوت فہم سلب ہو جاتی ہے، نوشتہ دیوار پڑھنے کے باوجود لوگ بدعنوانیوں، بدعہدیوں، بدنیتوں، نسلی اور قبائلی تنگناؤں، خون ریزیوں اور افتراق و انتشار سے باز نہیں آتے، وقت کا دھارا بہتا رہتا ہے۔ مضمحل معاشرہ اپنی بے ایمانی کے باعث یاسیت کی پستیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اور ایک وقت وہ آ جاتا ہے جب پرشکوہ تمدن اور جگمگاتے ہوئے شہر زمانے کے سیل رواں میں خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ لاریب اللہ کا فرمان کس قدر برحق ہے۔

"کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی محل کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں بے بصیرت نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں" (الحج: ۴۵-۴۶)

بلاشبہ صداقت' عدالت' شجاعت اور ایمان و ایقان کی روشنی کو بے نور کرنے والے افراد استعجاب اور بے یقینی کی دلدل میں اترنے کے بعد اذیت ناک موت کا شکار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ وہ افراد لے لیتے ہیں جو ان اوصاف کی روشنی سے اپنے راستے معین کرتے ہیں۔

"اور اگر تم ان (حقائق سے) روگردانی کرو گے (تو تم بھی فنا ہو جاؤ گے اور) اللہ تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم سے مختلف ہو گی" (سورۃ محمد)

اسی پس منظر کے ساتھ بحیثیت پاکستانی جب ہم نصف صدی پر مشتمل عرصے کے اپنے اعمال پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہوش و خرد اڑا دینے والی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس مختصر سی عمر میں ہم نے ہر وہ گناہ کر ڈالا ہے جس کی پاداش میں گزشتہ اقوام نشان عبرت بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمارے کرتوتوں کے باعث مملکت خداداد پاکستان کا وجود پہلے ہی دولخت ہو چکا ہے اور اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے گناہوں کے طومار کو اغیار بھی پڑھ کر لعنت ملامت کر رہے ہیں لیکن ہم ہیں کہ فکر فردا کے بجائے امروز کے نشاط و عیش میں غرق ہیں۔ بحیثیت قوم' موت ہمارا شکار کھیلنے پر مصر ہے لیکن ہمارا ہر اگلا قدم راہ پر خطر کی جانب ہی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ معاملات زندگی کے ضمن میں گزشتہ برس بدعنوانی کے اعتبار سے ہمارا تیسرا نمبر تھا لیکن امسال پاکستان کا شمار دنیا کی دوسری بدعنوان قوم کے طور پر کیا گیا ہے زبان خلق کا کہنا تو یہ بھی ہے کہ اگر سرے جاگیر کا سیکنڈل چند روز پہلے اخبارات کی زینت بنتا تو آج ہم دنیا کی کرپٹ ترین قوم کا تاج سر پر سجائے جشن مرگ منا رہے ہوتے۔

جرمنی کے تحقیقی ادارے ٹرانس پیرنسی انٹرنیشنل آف برلن (T ransparency International of Berlin) کے مطابق امسال کرپشن کے اعتبار سے بدعنوان اقوام میں نائجیریا کے بعد پاکستان کا نمبر ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ دنیا کی پہلی دو کرپٹ اقوام کا تعلق اسلامی دنیا سے ہے ہمارے لئے باعث ندامت یہ ہی نہیں کہ ہم دنیا کی دوسری بڑی رشوت خور قوم ہیں شرمندگی کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارا شمار دنیا کی جاہل ترین اقوام میں بھی کیا جاتا ہے۔

ہماری اس ذلت و رسوائی میں جہاں ملک کے استحصالی طبقے کا ہاتھ ہے وہاں ہم خود بھی اس صورتحال کے ذمہ دار ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بدی کو بدی جانتے ہوئے بھی مہر بہ لب رہنا سب سے بڑی بدی ہوتی ہے۔ دراصل جب تک ہم میں عزت نفس' آزادی' انصاف اور مساوات سے متعلق خود آگاہی پیدا نہ ہو گی ہم ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ ہمارا

"خانقاہوں میں ریاضت کرنے والے پاکباز بزرگوں کی اولادوں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آگیا کہ وہ دینی تعلیم کو خیرباد کہہ کر امریکہ و برطانیہ کی یونیورسٹیوں سے تحصیل علم کو باعث فخر گردانے لگے ہیں اور آج کروڑوں کا کاروبار کرنے والی صنعتوں کے مالک بن بیٹھے ہیں"

استحصالی طبقہ تین عناصر کا مرکب ہے اور تینوں عناصر یعنی جاگیرداروں' بیوروکریسی اور گدی نشینوں نے وطن کی آزادی کے فوراً بعد سے حصہ بقدر جثہ کے اصول مفاہمت کے تحت اقتدار و اختیارات پر قبضہ کر کے نہ صرف ملکی وسائل اور دولت کی لوٹ مار مچائی ہوئی ہے بلکہ ملکی وقار اور قوم کی عزت کو مجروح کرنے میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ ان میں آخر الذکر طبقہ تو خاص طور پر قابل تنقید ہے کہ اس نے روحانی اور سیاسی دونوں اعتبار سے سادہ لوح عوام کا استحصال جاری رکھا ہوا ہے کیا ہماری قوم میں کبھی وہ جرات بھی پیدا ہو سکے گی کہ وہ یہ پوچھ سکے کہ خانقاہوں میں ریاضت کرنے والے پاکباز بزرگوں کی اولادوں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آگیا کہ وہ دینی تعلیم کو خیرباد کہہ کر امریکہ و برطانیہ کی یونیورسٹیوں سے تحصیل علم کو باعث فخر گردانے لگے ہیں اور آج کروڑوں کا کاروبار کرنے والی صنعتوں کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

جہاں تک جاگیردار طبقے کا تعلق ہے اہل بینش جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی تاریخ کا سیاہ ترین لمحہ وہ تھا جب نواب آف کالا باغ امیر محمد خان جیسے ظالم جابر اور جاہل شخص نے کنگ ایڈورڈ کالج لاہور کے پرنسپل کے منہ پر طمانچہ مارا اور اس کے بعد ایک اور سیاہ ترین دن وہ تھا جب گورنر پنجاب کے عشرت کدے سے اغوا شدہ طالبات کو بازیاب کرایا گیا تھا۔ اسی خون آشام طبقے نے ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کو ہرانے کے لئے جو لائحہ عمل تیار کیا اس کے نہایت تباہ کن نتائج نکلے۔ ایک یہ کہ سرکاری اداروں کو حکومت کی انتخابی مہم کے لئے استعمال کرنے کی ریت ڈالی گئی اور دوسرے یہ کہ محب وطن لیکن غیر جاگیردار طبقے کے لئے سیاست میں آنے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اندرا گاندھی نے یحییٰ خاں کے دور حکومت کو بھارت کے حوالے سے اس صدی کا سب سے بہترین موقع قرار دیا اور مشرقی پاکستان کو اپنی سازشوں کا مرکز بنا کر پاکستان کو دولخت کرنے کے لئے کاروائیاں تیز کر دیں۔ ہمارے استحصالی طبقے نے ملک کے خلاف کی جانے والی سازش کی پروا نہ کرتے ہوئے ملک کی تقسیم گوارا کر لی لیکن یہ گوارا نہ کر سکے کہ اقتدار و اختیارات کا مرکز مشرقی پاکستان منتقل ہو جائے' جہاں بہرحال عام آدمی کے حکومت میں آنے کے مواقع نسبتاً زیادہ آسان تھے۔ یحییٰ خاں حسن و جمال کے اس قدر گرویدہ تھے کہ جنرل رانی جیسی کریہہ الشکل عورت کو ساقی خاص بنا ڈالا اور اس طرح اس طبقے سے متعلق لوگوں نے بھی حسب موقع نقب لگا کر دولت پاکستان کو لوٹنے کے لئے کمر باندھ لی۔ ملک دولخت ہو گیا لیکن ہم نے اس سانحہ کی آواز تک نہ سنی اور نہ ہی یہ ذمہ داری محسوس کی کہ اس سانحے کے مجرموں کو بے نقاب کر کے عدالتی تحقیقات کے بعد کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ زخم رسیدہ پاکستان کی پروا کسی کو نہ تھی' اب جو دور آیا اس میں اقربا پروری اور غنڈہ گردی کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا گیا۔ باریش علمائے دین کو طوائفوں کے ساتھ برہنہ تصاویر کھنچانے پر مجبور کیا گیا۔ سیاسی مخالفین کو قتل کرنے کی رسم اسی دور کی پیداوار تھی حکومتی خزانے اور ادارے شخصیت گری کے لئے مختص ہو کر رہ گئے۔ بنیادی انسانی حقوق کی بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کی گئیں حتیٰ کہ بلدیاتی اداروں کو بھی معطل رکھا گیا۔ سرعام وفاداریاں خریدی گئیں اور صنعتوں کو قومی تحویل میں لے کر ملک کی پیداواری صلاحیت کو تباہ کر دیا گیا۔ ۷۰ کے الیکشن میں ہارنے والی پارٹی کو اقتدار میں لانے کا معاوضہ اس طرح ادا کیا گیا کہ پورا ملک ایک جاگیر کی صورت میں جاگیرداروں کے حوالے کر دیا گیا۔ ۷۶

کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کر کے اس طریقہ کار کو انتخابات کا جزو بدن بنا دیا گیا۔ ضیاالحق کے دور میں بھی یہ طبقہ اپنی خون آشامی میں مصروف رہا اور مجلس شوریٰ میں شمولیت اختیار کر کے ایک بار پھر اپنے آپ کو ابن الوقت سیاستدانوں کے طور پر ثابت کرانے کے لئے ذرا بھی شرم محسوس نہ کی۔ سمگلنگ' منشیات اور اسلحہ کی کمائی سے چھوٹی چھوٹی غیر مرئی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور قوم پرست و لسانی جماعتوں کو تقویت فراہم کر کے ملک میں بسنے والے افراد کے مابین نفرتیں پیدا کر دی گئیں۔ سازشی افراد نے کامیاب منصوبہ بندی کر کے صف اول کے نظریاتی جنرل ہلاک کرا دیئے اور اتنے بڑے سانحے کا ایک بھی مجرم بے نقاب نہ ہو سکا۔ عبوری حکومت کے بعد کا دور مجرموں اور دہشت گردوں کے لئے زریں عہد بن کر آیا طیارہ اغوا کرنے والے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ملازمین کو قتل کرنے والے جمہوریت کے سپاہی بن گئے اور پلیس منٹ بیورو کے ذریعے اہم نوعیت کے سرکاری اداروں میں بھرتی ہو کر جمہوری کاروائیوں کا معاوضہ لیتے رہے۔

اسی خون آشام طبقے نے ایک ایسے گھرانے کے فرد کو جو ذاتی محنت سے اعلیٰ مقام تک پہنچا تھا اپنے مابین شریک اقتدار پایا تو اس میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہوئے محلاتی سازش تیار کی اور ممبران قومی اسمبلی جن کی بیشتر تعداد اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھی ایک ہی شب میں اڑ کر اس ڈالی پہ جا بیٹھے جس کی جڑیں بہرحال جاگیرداری نظام کی خون آشامی سے ہی سیراب ہو رہی تھیں۔ یہی سازشی طبقہ اپنی قیمت معین کرا کے آج پھر شریک اقتدار ہے۔ خریدے ہوئے گھوڑے اور ان کے خریدار ملک کو معاشی بگاڑ کی اس حالت پہ لے آئے ہیں کہ اقتصادی پالیسوں میں فوری طور پر ناگزیر تبدیلیاں نہ کی گئیں تو عالمی ادارے اسے دیوالیہ قرار دے دیں گے۔

ناقص پالیسیوں اور رشوت خوری کے باعث سمگلر ملکی خزانے کو ہر سال ۵۰ سے ۱۰۰ ملین روپے کا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے ۱۰۹ بلین روپے ہضم کئے جا چکے ہیں۔ صرف حبیب بینک کے واجب الادا قرضوں کا تخمینہ ۳۵.۳۰ بلین روپے ہے۔ حد یہ ہے کہ اینٹی کرپشن کمیٹی کے سربراہ پر بھی بدعنوانی کے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ پبلک ڈیلنگ کرنے والے تمام سرکاری ادارے بدعنوانی کے الزامات کی زد میں رہتے ہیں۔ مہران بینک' میراج طیاروں' یوکرین ٹینکوں اور پی پی ایل کی ڈیلنگ میں کمیشن سیکنڈلز اور وزیر خارجہ کی فیکٹری سے ہیروئن کی سمگلنگ کے واقعات نے عام آدمی کو برسر اقتدار طبقے سے بدظن کر دیا ہے۔

بدعنوانی کا زہر جس طرح ہماری قومی زندگی کا دوران حیات تکلیف دہ بنا رہا ہے اس کا اخلاقی پہلو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی حالات کس قدر دگرگوں ہو جاتے ہیں اس بات کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ کرپشن کی بدولت سرمایہ کاری میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ صنعتی ترقی کی رفتار کم ہو جاتی ہے' حکومتی خزانہ تباہ ہو جاتا ہے۔ عوام کی دولت ان کی بہبود پر خرچ ہونے کے بجائے چند افراد کی جیبوں میں چلی جاتی ہے۔ حکومتی اخراجات بڑھ جاتے ہیں' اعمال حکومت کی کارکردگی گھٹ جاتی ہے' ملکی سالمیت تک کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ عوام کا پیسہ عوام پر خرچ نہیں ہوتا۔ اس لئے انسانی آبادیوں میں سہولیات زندگی ناپید ہو جاتی ہیں۔ فرسٹریشن کے باعث عوام کی ذہنی کارکردگی اور جسمانی استطاعت متاثر ہوتی ہے۔ صحت کی صورت حال خراب ہو جاتی ہے بے روزگاری کا عفریت پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ امیر امیر تر اور غریب دن بدن بدحال ہوتا چلا جاتا ہے' جرائم بڑھ جاتے ہیں' نوجوان نشے کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ پورا معاشرہ بیمار ہو جاتا ہے۔ انسانیت اٹھ جاتی ہے اور حیوانی جذبے پروان چڑھنے لگتے ہیں' پورا ملک طوائف الملوکی کا شکار ہو جاتا ہے اور بالاخر اس انجام کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر باری تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء کی آیات متذکرہ میں بیان فرمایا ہے۔

مشاہدات یہ بھی بتاتے ہیں کہ بدعنوان طبقے کو چونکہ ہوس زر کا نشہ چڑھا ہوتا ہے لہٰذا وہ اختیارات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے ملکی اداروں کو تباہ کر ڈالتے ہیں' اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے یہ طبقات انتظامیہ اور عدلیہ پر بھی اثر انداز ہو کر قانون کے دوہرے معیار قائم کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ قومی زوال اور تباہی و بربادی ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بدعنوانی کی بیماری کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فیڈرل اینٹی کرپشن کمیٹی' وزیراعظم کا معائنہ ڈویژن اور وفاقی محتسب جیسے ادارے بھی غیر فعال ہو کر رہ گئے ہیں۔ حکومتی ایجنسیاں حزب مخالف سے تعلق رکھنے والے افراد کو ہراساں کر رہی ہیں اور مجرم دندناتے پھر رہے ہیں۔ حزب مخالف کی جانب سے احتسابی کمیشن کی تجویز کو جس طرح ٹال مٹول کا ذریعہ بنایا گیا ہے وہ اہل وطن کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ نج کاری کمیشن میں مبینہ گھپلوں کے الزامات پر تو صدر مملکت بھی اس کمیشن کی اصلاح احوال کے طلب گار ہیں۔ سرے جاگیر سیکنڈل نے صورت حال کو اور بھی گھمبیر بنا دیا ہے۔ سنڈے ایکسپریس اخبار کی انتظامیہ اپنے موقف پر قائم ہے کہ ایک شیل ایکسپریس کمپنی کے ذریعے متعلقہ افراد نے یہ جاگیر خریدی ہے۔ وزیراعظم کا بیان اپنی جگہ درست ہے کہ ان کے یا ان کے شوہر کے نام پر برطانیہ میں کوئی مکان نہیں خریدا گیا۔ لیکن کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ تیسری دنیا کے حکمران اپنے ناموں سے نہ تو یورپ میں جائیدادیں خریدتے ہیں اور نہ ہی مال و دولت منتقل کرتے ہیں۔ برطانیہ میں تو کوئی بھی شیل کمپنی محض سو پونڈ کے عوض رجسٹر ہو جاتی ہے اور اسی کمپنی کے نام پر ہی سارے معاملات طے کئے جاتے ہیں۔ اس سیکنڈل کو یہ بات بھی ذو معنی بنا رہی ہے کہ برطانیہ میں صحافتی قوانین بڑے سخت ہیں۔ اگر کوئی جریدہ یا اخبار اپنا الزام ثابت نہ کر سکے تو عائد کئے گئے الزام میں موجود رقم کا پانچ سو گنا ہرجانہ حیثیت عرفی کے ازالہ کے لئے متعلقہ شخص یا ادارے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ بھلوال ضلع سرگودھا کے علی محمد فاروقی ایڈووکیٹ نے سول جج کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا ہے کہ بلاول ہاؤس سے ۴۵ بکس جن کا وزن ۵۷۲۹ کلوگرام تھا۔ رسید نمبر ۰۱۶۳۵۰۔۲۱۴ کے ذریعے بک کئے گئے۔ جنہیں پی آئی اے کی فلائٹ نمبر ۷۸۷ کے ذریعہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۶ء کو کراچی سے لندن کے لئے فری آف چارج روانہ کیا گیا اور ۲۹ اپریل کو متعلقہ مقام پر وصولی کی باضابطہ اطلاع بلاول ہاؤس کراچی کو دی گئی۔

مدعی نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ایک ذاتی کنسائنمنٹ کو مفت لندن تک لے جانے کے اخراجات متعلقہ افراد سے وصول کئے جائیں اور حکومتی خزانے میں یہ رقم جمع کرائی جائے۔ چنانچہ سول جج نے محترمہ بے نظیر آصف علی زرداری' پاکستان کے ہائی کمشنر برائے لندن واجد شمس الحسن اور ڈائریکٹر PIA کے نام سمن جاری کر دیئے ہیں کہ وہ عدالت میں آ کر اپنا موقف پیش کریں۔ پاکستان کے ہائی کمشنر واجد شمس الحسن کا کہنا ہے کہ ان پیٹیوں میں وزیراعظم کے دوستوں کے لئے آم روانہ کئے گئے تھے۔ لیکن حقائق بتاتے ہیں کہ یہ کنسائنمنٹ بلاول ہاؤس سے روانہ کی گئی تھی۔ حکومت پاکستان کے ایک اہم عہدے دار کو بظاہر معلوم ہونا چاہئے کہ کذب بجائے خود تادیبی کارروائی کا جواز فراہم کرتا ہے ایک ایسی ہی دوسری کھیپ کو برطانوی حکام نے کنسائنمنٹ میں ظاہر کی گئی اشیاء اور ان کی مالیت کے بارے میں حقائق کو چھپانے پر' کلیر کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ان بکسوں کا کل وزن ۵۴۱۲ کلوگرام ہے جو تاحال

کارگو شیڈ میں پڑے ہوئے ہیں اور اسے وصول کرنے ابھی تک کوئی نہیں آیا اور نہ ہی اس سامان کو کلیر کرانے کے لئے کسی نے کلیم داخل کیا ہے۔ برطانوی حکام نے سامان کھول کر چیک بھی کیا ہے اس سامان میں زیادہ تر مغلیہ طرز کا فرنیچر' قیمتی اشیاء اور نوادرات ہیں۔ قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف کا کہنا ہے کہ یہ سامان سرے جاگیر میں سجاوٹ کے لئے لندن منتقل کیا گیا ہے۔ ادھر عوامی نیشنل پارٹی نے کہا ہے کہ وہ مہران بینک کیس کے سلسلے میں پٹیشن دائر کر رہی ہے تاکہ اس کیس کی عدالتی تحقیقات کے بعد ملزمان پر فرد جرم عائد کر کے انہیں سزا دی جا سکے۔ محترمہ بے نظیر اور آصف علی زرداری پر یہ بھی الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے سٹیل مل کراچی کو ۲۳ کروڑ روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔

کرپشن کے اس قدر شدید الزامات کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حکومت اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لئے احتسابی کمیشن کا قیام عمل میں لاتی لیکن حزب مخالف کی جانب سے پیش کی گئی احتسابی کمیشن کی تجویز سے انکار کر کے حکمران جماعت کے شبہات کو مزید تقویت فراہم کی ہے۔ میاں نواز شریف کی احتسابی کمیشن کی تجویز کی مخالفت اسی لئے کی گئی ہے کہ اس میں حکمراں جماعت کے اراکین کو خود بھی پیش ہونا پڑتا۔ حالات جس نہج پر پہنچ چکے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ غیر جانبدار اور مستقل اعلیٰ ججوں کے ذریعے کرپشن کے الزامات کی تحقیقات کرائی جائے۔ اگر آئین پاکستان کی شق ۶۲ کو لاگو کر کے کرپٹ اراکین پارلیمنٹ کا احتساب کیا جائے تو پاکستانی سیاست کو گند سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بابری مسجد کے قاتل لال کرشن ایڈوانی کی مثال کو بھی تھوڑی سی شرمندگی کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ لال کرشن ایڈوانی پر حوالہ سیکنڈل کے حوالے سے الزامات عائد کئے گئے تو انہوں نے پارلیمنٹ سے استعفیٰ دے دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک اس الزام کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اور وہ اس میں بے گناہ ثابت نہیں ہو جاتے الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ ایک اور مثال ترکی کی سابقہ وزیراعظم تانسو چیلر کی ہے جنہوں نے بدعنوانیوں کے الزامات کے بعد وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ترکی کی حکومت نے ان کی بدعنوانیوں کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن بھی قائم کر دیا ہے۔ اس کے برعکس سرے جاگیر سیکنڈل کے حوالے سے صحیح راہ عمل اختیار کرنے کے بجائے حکومت نے حزب مخالف پر جوابی الزامات کا عامیانہ سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں وزیراعظم کا اشتعال انگیز لہجہ' متعلقہ افراد کی تضاد بیانیاں اور پی آئی اے کے طیاروں سے بھیجا گیا سامان' یہ تمام فیکٹر عوام کو مطمئن نہیں کر سکے ہیں۔

چونکہ ہمارے یہاں بدعنوانیوں پر احتسابی عمل اور سزا کا تصور موجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے سیاستدان اور حکومتی اہلکار کسی خوف کے بغیر کرپشن مافیا کو اس قدر منظم کر چکے ہیں کہ عام حالات میں ان کا خاتمہ ایک ناممکن بات بن گئی ہے۔ اس کے برعکس اگر دیگر ممالک میں سیاستدانوں یا اعمال حکومت پر اختیارات کا غلط استعمال ثابت ہو جائے یا ان کی وجہ سے حکومتی خزانے کو نقصان پہنچے تو سخت سزاؤں کے ذریعے ان کی تادیب کی جاتی ہے۔ حال ہی میں تھائی لینڈ کے وزیر مالیات سمی رتھائی کو افراط زر میں کمی لانے میں ناکامی پر ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ تائیوان میں تائی چن نامی شہر کے میئر کو ایک ترقیاتی پروگرام میں ردوبدل کرنے پر ۵ برس کے لئے سزائے قید سنائی گئی ہے۔ کوریا اور جاپان کے وزرائے اعظم بدعنوانیوں کے الزامات کے بعد اپنے عہدے سے مستعفی ہو چکے ہیں' اٹلی میں ریاستی بینک نے نئے وزیراعظم رومانو پروری کو تنبیہ کی ہے کہ وہ بینکوں کے کھاتوں پر منافع کی شرح میں کمی کا اعلان کر کے بجٹ میں خسارے کو مصنوعی طور پر کم کرنے سے باز رہیں' اس کے برعکس پاکستان کے اسٹیٹ بینک کے گورنر ڈاکٹر یعقوب کی مدت ملازمت میں ۲ برس کی توسیع کر دی گئی ہے۔ بھارت ہی میں حوالہ سیکنڈل کے حوالے سے سابق وزیراعظم نرسمہا راؤ کے اختیارات کو عدالت نے ان احکامات کے تحت ختم کر دیا تھا جن کے مطابق سنٹرل بیورو آف انوسٹی گیشن CBI ان کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔ اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ نرسمہا راؤ تحقیقات کے سلسلے میں CBI پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکیں۔

بھارت کے صوبہ بہار کے وزیر تعلیم نے دباؤ کی پروا نہ کرتے ہوئے نقل پر سخت پابندیاں عائد کر دیں۔ نتیجتاً انٹرمیڈیٹ کا امتحان جسے طلبہ کی ۷۰ سے ۸۰ فی صد تعداد باآسانی پاس کر لیتی تھی اس قدر علمی ماحول میں لیا گیا کہ صرف ۱۶ فی صد طلبہ ہی کامیابی حاصل کر سکے۔ یہ وہ طلبا تھے جنہوں نے غیر معمولی محنت کی تھی اور جنہیں کورس پر پورا عبور حاصل تھا۔ اس کے برعکس صوبہ پنجاب کے سینئر وزیر مشتاق اعوان کی بیگم صاحبہ بہ نفس نفیس اپنی صاحبزادی کو نقل کرانے امتحان گاہ جا پہنچیں۔ حد یہ ہے کہ ضلعی انتظامیہ بھی اس مہم میں بیگم صاحبہ کے ہمراہ تھی اور پولیس کے اہلکار ممتحنہ کو دہشت زدہ بھی کرتے رہے۔ مہران بینک سیکنڈل کے شہرت یافتہ یونس حبیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سیاستدانوں اور بیوروکریسی کے افراد کے بارے میں اس کا اسقدر عمیق مطالعہ تھا کہ وہ ہر ایک کی پسند کے مطابق شراب' عورت' گلوکارہ' رقاصہ یا نقد روپے کا بندوبست کرتا تھا اور اس طرح ایک عام اہلکار سے بینک کا سربراہ بن بیٹھا۔

ہم جس انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ صرف بھیانک ہی نہیں عبرت ناک بھی ہے۔ فطرت اپنے اصولوں کو تبدیل نہیں کیا کرتی وہ راہ راست سے بھٹکی ہوئی اقوام کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ عظیم الشان تہذیبیں بھی فطرت کے اس اصول کے سامنے ٹھہر نہ سکیں ہماری تو حیثیت ہی کیا ہے۔ البتہ فطرت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی قوم قوم یونسؑ کی طرح اپنی غلطی تسلیم کر کے ندامت کا اظہار کرے' برائیوں سے توبہ کرے اور راہ راست پہ آ جائے تو عذاب ٹل بھی جایا کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے دونوں راستے کھلے ہیں اور وقت آ گیا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیں کیونکہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وقت ایک تلوار ہے جو اس کے سامنے آیا وہ کٹ کر رہ جاتا ہے اور جو اسے خود تھام لے وہ دوسروں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

بقیہ : انڈیا میں ووٹ کی طاقت...

کا الٹ ہے اکثر پالیسی ساز مضبوط ہندوستان کے لئے کمزور دہلی کی وکالت کر رہے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ کمزور مرکز میں کوئی خطرناک بات نہیں۔ اگر کمزور مرکز ہندوستان کے حق میں بہتر ہے تو گوڈا حکومت میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے اس کے یونائیٹڈ فرنٹ کو جو اعتدال پسندوں' آزاد منڈی کے سرمایہ کاروں اور مارکسٹوں پر مشتمل ہے' بہ مشکل حکومت بنانے کے لئے اکثریت حاصل ہوئی ہے۔

(دی فرنٹیئر پوسٹ)

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر ۱

عزمِ تنظیم

(سابقہ "سرا گمندیم")

عمدہ طباعت' صفحات ۷۲' قیمت ۷ر

بے شک اللہ کے نزدیک سچا دین تو بس اسلام ہی ہے

نوید احمد

انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی دونوں گوشوں کے بارے میں واضح ہدایات صرف اسلام مہیا کرتا ہے

ایک معروف دانشور (محترم الطاف گوہر صاحب) نے روزنامہ نوائے وقت کے مورخہ ۳۱ مئی ۹۶ء کے پرچہ میں "یہ کیا سسٹم سسٹم لگا رکھی ہے" کے عنوان سے ایک اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ موصوف نے درست کہا کہ "ہمیں بجائے سسٹم کے دین کا لفظ استعمال کرنا چاہئے جو اتنا وسیع المعنی ہے کہ کوئی اور لفظ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔" البتہ مناسب ہوتا اگر موصوف دین کے لفظ کے معنی' لغوی بحث اور اس کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت فرما دیتے اور دین کے قیام کی اہمیت اجاگر فرما دیتے۔ ان سطور کی تحریر کا مقصد آیات قرآنیہ کی روشنی میں لفظ دین کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم کو واضح کرنا اور اقامت دین کی اہمیت بیان کرنا ہے۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۸۵ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کیا تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص روز قیامت خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا"۔ روز قیامت کی رسوائی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم لفظ دین کی حقیقت کو سمجھیں اور پھر اسلام کو بطور دین اختیار کریں۔

دین کا لفظ دی ن ماده سے نکلا ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا لغوی مفہوم "بدلہ" ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ مالک یوم الدین کے معنی ہیں بدلہ کے دن کا مالک۔ عربی زبان کی کہاوت "کما تدین تدان" جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے اس بنیادی مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے اس لفظ کو معانی و مفاہیم کے اعتبار سے بڑی وسعت عطا فرما دی ہے۔ بدلہ یعنی جزاء یا سزا کسی قانون اور ضابطہ کے تحت ہوتی ہے لہٰذا لفظ دین ضابطہ اور قانون کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر ضابطہ اور قانون کے حوالے سے کسی ایسی ہستی کا تصور بدیہی ہے' جو قانون ساز (Law Giver) ہو اور لوگ اسے مطاع مان کر اس کے دیئے ہوئے قانون کی اطاعت کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے ایک معروف مفکر قرآن نے لفظ دین کی تعریف یوں کی ہے کہ "دین ایک پورے نظام زندگی اور مکمل ضابطہ حیات کو کہا جاتا ہے جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع اور قانون ساز مان کر اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ قانون و ضابطہ کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے"۔

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۷۶ میں "دین الملک" یعنی بادشاہ کا دین کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مراد وہ ملکی قانون اور ضابطہ حیات ہے جس میں بادشاہ کو مطاع مانا جاتا تھا اور اس کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سورۂ آل عمران نمبر ۸۳' سورۃ النور نمبر ۲ اور سورۃ النصر نمبر ۲ میں "دین اللہ" یعنی اللہ کے دین کا ذکر ہے۔ اللہ کا دین وہ نظام حیات ہے جس میں انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ ہی کی کامل اطاعت کی جاتی ہو اور اللہ کے ہر قانون پر عمل درآمد ہوتا ہو۔

اصطلاحی لحاظ سے لفظ دین ایک ہمہ گیر تصور کا حامل ہے جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ انسان کی انفرادی زندگی کے تین گوشے ہیں۔ عقیدۂ عبادات اور رسومات۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کے بھی تین ہی شعبے ہیں یعنی سیاسی' معاشی اور معاشرتی۔ اگر کوئی نظریہ صرف انفرادی زندگی کے تین گوشوں ہی سے بحث کرتا ہو تو اسے ہم دین نہیں بلکہ مذہب کہیں گے عیسائیت' ہندومت' بدھ مت وغیرہ مذاہب ہیں' اس لئے کہ یہ صرف عقائد' عبادات اور چند سماجی رسومات کے حوالے سے اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ انسانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ مذاہب خاموش ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نظریہ میں صرف اجتماعی زندگی کے کسی ایک یا تمام پہلوؤں کے بارے میں تفاصیل بیان کی گئی ہوں تو اسے ہم "نظام زندگی" تو کہہ سکتے ہیں لیکن "مکمل نظام زندگی" یا "دین" نہیں کہہ سکتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی دونوں گوشوں کے بارے میں واضح ہدایات مہیا کرتا ہے' لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین تو صرف اسلام ہی ہے۔ اسی لئے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا "ان الدین عند اللہ الاسلام" بے شک اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے۔ جس کا پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے۔ دین اسلام نے انسان کی انفرادی زندگی کے تین پہلوؤں کے حوالے سے جو ہدایات دی ہیں وہ تو پھر بھی آج کسی نہ کسی حد تک زندہ ہیں لیکن اجتماعی زندگی سے متعلق جو اصول و تفصیلات اوامر و نواہی ہمیں دین اسلام سے حاصل ہوئیں' انہیں اکثر و بیشتر ہم نے بھلا دیا۔ سیاسی نظام کے حوالے سے اسلام نے ہمیں اصل الاصول دیا کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی حکم کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے۔ بقول علامہ اقبال۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

لیکن تقریباً ۵۰ سال گزرنے کے باوجود ہمارے ملک میں آج تک اللہ کی حاکمیت قائم نہ ہو سکی بلکہ حاکمیت عوام کے نام نہاد نمائندوں کی ہے۔

معاشی لحاظ سے دین اسلام ہر شے کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے اور انسان کو محض امین کا درجہ دیتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ۔

ایں امانت چند روزہ نزد ماست
در حقیقت مالک ہر شے خداست

لیکن ہمارے ملک میں رائج معاشی نظام مالک حقیقی کے واضح احکامات کے برخلاف سود کی اساس پر چل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں وفاقی شرعی عدالت کے مدلل و تاریخی فیصلہ کے خلاف نہ صرف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی بلکہ اپیل کی سماعت کو بھی روکا ہوا ہے تاکہ معاملہ کھٹائی میں پڑا رہے۔ معاشرتی اعتبار سے اسلام وحدت خالق اور وحدت والدین کی بنیاد پر تمام انسانوں کو مساوی قرار دیتا ہے لیکن ہمارے ملک میں زندگی کے ہر شعبہ اور خاص طور پر تعلیمی اداروں' ہسپتالوں اور دیگر سہولیات کے ضمن میں بڑے اور چھوٹے کی تقسیم نمایاں ہے۔

اب تک ہم نے بڑے اختصار کے ساتھ دین اسلام سے بغاوت کے چند نمونے پیش کئے ہیں وگرنہ ہمارے ہاں جاگیردارانہ نظام' سرمایہ داری' ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بے حیائی و بے ہودگی کا فروغ اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ ہم نے اسلام کو بطور دین قبول نہیں کیا۔ ہمارے ہاں اسلام دین کے اعتبار سے مغلوب ہے' البتہ مذہب کے اعتبار سے زندہ ہے۔ سچ کہا اقبال نے

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

دین اور مذہب کا فرق واضح ہو جانے کے بعد' یہ بات بھی از خود ظاہر ہے کہ ایک ملک میں' ایک ساتھ کئی مذاہب پر تو عمل ہو سکتا ہے لیکن دین صرف ایک ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۸۵ (جس کا ہم نے ابتداء میں حوالہ دیا) اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ہم آخرت میں خسارے سے بچنے کیلئے اسلام ہی کو بطور دین اختیار کریں اسلام میں رواداری ہے لیکن اس حد تک کہ وہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو ان کی انفرادی زندگی میں اپنے اپنے مذہب پر عمل کی اجازت دیتا ہے لیکن اجتماعی زندگی میں وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ Law of the Land اللہ کا ہو گا نہ کہ انسانوں کا بنایا ہوا۔

ایسے حالات میں جبکہ اسلام بحیثیت دین مغلوب ہے' اگر کوئی خواہ سسٹم ہی کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے نفاذ اسلام کا مطالبہ کرے تو ہمارے دانشور حضرات کو چاہئے کہ اس کی حوصلہ افزائی کریں اور اصلاح طلب امور میں اس کی رہنمائی کریں اور یہ روش مناسب نہیں ہے کہ "کیا سسٹم لگا رکھی ہے" کے الفاظ استعمال کر کے ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کریں۔

فاضل دانشور نے' جن کا بالکل ابتداء میں ہم نے حوالہ دیا ہے' اپنے مضمون میں اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ہماری اسمبلیوں میں اکثر و بیشتر مفاد پرست عناصر ہی منتخب ہو کر پہنچ جاتے ہیں۔ پھر آخر میں انہوں نے موجودہ سسٹم کی اصلاح کے لئے کچھ اصول بھی تجویز فرمائے ہیں۔ یہ بات جواب طلب ہے کہ کیا محض تحریر و تقریر کے ذریعے اسمبلیوں کے لئے جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور وڈیروں کا انتخاب روکا جا سکتا ہے اور سنہرے اصول تجویز کر کے موجودہ سسٹم کی اصلاح کی جا سکتی ہے؟ فاضل دانشور سے درخواست ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کریں کہ سیرت النبی ﷺ سے یا دنیا میں جو دیگر انقلابات آئے ہیں (جیسے انقلاب روس' انقلاب فرانس اور انقلاب ایران وغیرہ) ان سے نظام کی اصلاح یا اسلام کے بحیثیت دین نفاذ کے لئے ہمیں کیا طریقہ کار ملتا ہے؟

☆☆

ایڈوکیٹ اودے تلک کا

مراٹھی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ

ایڈوکیٹ اودے تلک کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ صرف بمبئی شہر ہی نہیں بلکہ مہاراشٹر اور دور دراز جگہوں پر وہ اپنی قرآن سے محبت اور نعت خوانی کے لئے مشہور ہیں۔ عرصہ ہوا ایڈوکیٹ تلک نے مراٹھی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے۔ مراٹھی میں قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھنا چاہتے ہیں۔ روزنامہ "انقلاب" سے انٹرویو میں اودے تلک کے قرآن پاک سے متعلق آراء حسب ذیل ہیں :

اس سوال پر کہ اودے تلک صاحب کو قرآن پاک سے تعلق کب سے پیدا ہوا' انہوں نے بتایا کہ جب شاہ بانو اور محمد احمد کا تنازعہ جاری تھا اور سپریم کورٹ نے جب فیصلہ سنایا تھا پہلی بار مجھے قرآن شریف کے مطالعہ کرنے کا شوق ہوا۔ سپریم کورٹ نے قرآن پاک کی آیتوں کے حوالے سے لکھا تھا کہ "اسلام کی تباہ کن بات یہ ہے کہ عورت کا درجہ کم تر کر دیا ہے"۔

قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات مجھے محسوس ہوئی کہ مذکورہ جملے تعصب سے پر ہیں۔ میں نے چودہ صفحات کا ایک کتابچہ بھی شائع کیا ہے جس کی سرخی ہے "سب کو سچائی جاننی چاہئے"۔ اس کتابچہ کے ذریعہ میں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کا جائزہ لیا ہے اور لوگوں کے سامنے صحیح حال پیش کیا ہے۔ جیسے جیسے قرآن شریف کو پڑھتا گیا وہ میرے دل میں اترتا گیا۔ قرآن شریف میں جو باتیں ہیں اور جس انداز میں پیش کی گئی ہیں' دوسری مذہبی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ یہی بات میرے دل کو متاثر کر گئیں اور قرآن شریف سے تعلق پیدا ہو گیا۔ ابتدائی تعلیم میں نے ڈاکٹر ایم اے شیخ سے لی بعد میں اپنی کوششوں سے میں نے عربی پڑھی اور عربی سمجھ سکتا ہوں۔ قرآن پاک کا بڑا حصہ میں نے حفظ کیا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میرا تعلق سنار خاندان سے ہے۔ میرے گھر والے اور گاؤں والے پین رائے گڑھ میں سب ہندو مسلم اتحاد سے رہتے ہیں۔ آج کل کی زہر آلود فضا کے باوجود ہمارے ہاں مذہب کی بنیاد پر فسادات نہیں ہوئے۔ مراٹھی زبان میں اس سے قبل بھی قرآن پاک کے ترجمے ہوئے تھے مگر وہ عربی زبان سے نہیں ہوئے یا تو اردو یا انگریزی زبان سے ہوئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک عربی سے ترجمہ نہیں ہو گا۔ حق بات یا سچی بات لوگوں تک نہیں پہنچے گی۔

اس سوال پر کہ مراٹھی ترجمہ کی کیا ضرورت تھی۔ اودے تلک صاحب نے برجستہ کہا کہ مراٹھی جاننے والے لوگوں کے لئے ترجمہ کی ضرورت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بندوں میں جس طرح پیغام پہنچنا چاہئے ویسے نہیں پہنچا ہے۔ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جب کوئی یہودی کسی بات کے لئے حضورؐ کے پاس جاتے تو حضورؐ اسے موسیٰؑ اور توریت سے حوالہ دیتے۔ اور کوئی عیسائی جاتا تو حضورؐ عیسیٰؑ اور انجیل کا حوالہ دے کر قرآن کا پیغام دیتے۔

ایک سوال کے جواب میں جناب اودے تلک صاحب نے کہا کہ جو کتاب تمام لوگوں کو اتحاد کا سبق دے اور امن کی بات کرے اور پہلے آنے والی آسمانوں کی کتابوں کو حق تسلیم کرے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں کو سچ مانے اور تعصب دور کرنے کی بات کرے وہ کتاب ہی ام الکتاب تسلیم کی جائے گی۔

انہوں نے مزید کہا کہ میں قرآن پاک کے حوالوں سے بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ اس طرح اختلافات کا ازالہ ہو گا۔ قرآن پاک کے نزول کا مقصد بھی یہی ہے کہ ماحول اچھا ہو اور جھگڑے ختم ہوں۔

(ہفت روزہ "امید" (سورت' بھارت) سے ماخوذ)

"عالمی سطح پر اللہ کی حاکمیت کے خلاف نوع انسانی نے علم بغاوت بلند کر رکھا ہے"

بارات' جہیز اور لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ہندووانہ رسومات ہیں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۲/ جولائی ۹۶ء کا خطاب جمعہ' بمقام جامع مسجد شان اسلام گلبرگ لاہور

لاہور (پ ر) اسلامی ریاست کا قیام ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے جسے پورا کئے بغیر پورے دین پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔ ریاست و حکومت کی سطح پر اسلام مغلوب اور شریعت پامال ہے اور ملک پر کافرانہ نظام حکومت مسلط ہے۔ عدالتیں غیر اسلامی نظام پر استوار ہیں جبکہ وکلاء کافرانہ اور طاغوتی نظام پر مبنی قوانین کی "وکالت" کر رہے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد شان اسلام گلبرگ لاہور میں خطبہ جمعہ میں کہا ہے کہ سودی معیشت اور بے حیائی کے طوفان نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سود خوری اور بے پردگی اسلام سے کھلی بغاوت ہے۔ رشوت اور سودی قرضوں کے ذریعے بننے والی عالی شان کوٹھیوں پر "ھذا من فضل ربی" کی آیت لکھ کر قرآنی احکامات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ سود "خنزیر" سے بڑا حرام ہے جس میں پورا معاشرہ ملوث ہو چکا ہے۔ شریعت کے احکامات میں "من پسند" تفریق کے جرم کی پاداش میں امت مسلمہ دنیا کی ذلیل ترین ملت بن چکی ہے اور دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہونے کے باوجود امریکہ اور دیگر مغربی اقوام کے مقابلے میں امت مسلمہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی بجائے "امریکہ بہادر" کو اپنا آقا و مولا تسلیم کر کے اس کی فرمان برداری اختیار کر رکھی ہے۔ عالمی سطح پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے خلاف نوع انسانی نے بغاوت کا علم بلند کر رکھا ہے جسے سرنگوں کئے بغیر اللہ اور رسول ؐ سے وفاداری کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔

انہوں نے کہا امت مسلمہ کی عظیم اکثریت نے ایک جانب دنیا کو اپنا نصب العین اور مطلوب و محبوب بنا رکھا ہے جبکہ دوسری طرف چند دینی فرائض اور شریعت کی جزوی پیروی کو بطور مشغلے کے اختیار کر رکھا ہے۔ دینی عناصر کی دینی زندگی کا سماجی' سیاسی اور معاشی زندگی سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاحی تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ بالغ ہوتے ہی اولاد کی شادی کرنا والدین کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو بروقت پورا نہ کرنے کی وجہ سے اگر اولاد کسی اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو اس کی ذمہ داری والدین پر عائد ہو گی۔ انہوں نے کہا بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی شادی شرعی حکم ہے جسے نظر انداز کرنے کی وجہ سے معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی فروغ پا رہی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا نکاح کی تقریب مسجد میں منعقد کرنا سنت نبوی ؐ ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کا اہتمام غیر اسلامی روایت ہے جبکہ ایسی دعوت کھانا کمینگی ہے۔ برات' جہیز اور لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ہندووانہ رسومات ہیں' جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضور ؐ نے لڑکے والوں کو "ولیمہ" کی صورت میں کھانے کی دعوت کا تاکیدی حکم دیا ہے جبکہ احادیث و سیرت میں لڑکی والوں کے ہاں کھانے کی دعوت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا نبی اکرم ؐ نے نکاح جیسی اہم اور مقدس تقریب کو مسجدوں میں منعقد کرنے کا حکم دیا مگر مسلمانوں کی اکثریت اس پر عمل نہیں کر رہی۔ عورت کے "مہر" کی مقدار معین نہیں ہے البتہ فریقین باہمی رضامندی سے مہر کی جو مقدار بھی طے کر لیں اس کی ادائیگی نکاح کے وقت ہی زیادہ مناسب ہے اگرچہ حق مہر بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے مگر یہ رقم شوہر کے ذمے قرض رہے گی۔

شادی ہر انسان کی فطری ضرورت ہے مگر اسلام کے سوا دنیا کے تمام مذاہب ازدواجی زندگی کو روحانی اور اخلاقی زندگی میں رکاوٹ سمجھتے ہیں جو ایک گمراہی ہے۔ اسلام نے انسان کی فطری خواہشات کو جائز راستے سے پورا کرنا عین عبادت قرار دیا ہے اس لئے حضور ؐ نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے۔ چنانچہ شادی نہ کرنے والے "بزرگوں" کی تعریف و تحسین کرنا درحقیقت غیر شعوری طور پر توہین رسالت کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا مسلمان مرد اور عورت دونوں شریعت کے مقرر کردہ حقوق و فرائض ادا کریں تو معاشرے سے ہر قسم کے معاشرتی مسائل اور خاندانی جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کے حصول کا نادر موقع

قرآن کالج لاہور

اعلان داخلہ برائے ایف اے سال اول

○ داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۲۹ جولائی ۹۶ء ہے
○ داخلے کے لئے انٹرویو ان شاء اللہ ۲۰/ جولائی کو ہوں گے

دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس حاصل کریں

المعلن : پرنسپل قرآن کالج۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

"بینظیر' بیگم صاحبہ کا اسی طرح خیال رکھتی ہیں جس طرح اورنگزیب نے شاہجہاں کا رکھا تھا"

راؤ رشید زیڈ ۔ اے بھٹو کے دور حکومت میں آئی ۔ جی پنجاب اور ڈائریکٹر آئی ۔ بی کے عہدہ پر فائز رہے' اس دوران بھٹو کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق قائم ہو گیا جس کی بنا پر ضیاء دور میں انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ان دنوں پی۔ پی۔ (بھٹو شہید) کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ ذیل میں Weekend Post سے ان کا ایک حالیہ انٹرویو پیش ہے۔

● آپ نے اخبارات میں مختلف سیکنڈلز کے بارے میں پڑھا ہو گا آپ کی کیا رائے ہے؟

○ جی ہاں! میں نے پڑھا ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سے فائدہ کون اٹھائے گا۔ فی الوقت تین گروہ فائدہ اٹھانے کی پوزیشن میں ہیں یعنی اپوزیشن' صدر مملکت اور فوج۔ میرا نہیں خیال کہ اپوزیشن عوام کو اس بات پر سڑکوں پر لا سکے گی کہ وزیراعظم یا ان کے شوہر نے انگلینڈ میں ایک محل خریدا ہے۔ میرے علم کی حد تک سردار فاروق احمد لغاری حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے وہ غلام اسحاق خان کی طرح سازشوں کے دلدادہ نہیں ہیں' مزید براں بے نظیر کے مقابلے کے لئے ان کے پاس اپنی کوئی قوت نہیں ہے چونکہ وہ اگلا صدارتی انتخاب لڑنا چاہیں گے لہٰذا بے نظیر صاحبہ کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں۔

جہاں تک فوج کا تعلق ہے اس کی مداخلت کا مجھے کوئی جواز نظر نہیں آتا' نہ مغربی طاقتیں فوج کو ایسا کرنے دیں گی الا یہ کہ ان کے اپنے مفادات کے لئے یہ ناگزیر ہو۔ لہٰذا اس قسم کی کارروائی بین الاقوامی طور پر قابل قبول نہیں ہو گی۔ اس لئے میرے نزدیک فی الوقت اس کا کوئی امکان نہیں' صرف ایک امکان ہے اور وہ یہ کہ ایک عوامی تحریک اٹھے جس کے نتیجے میں سول انتظامیہ بالکل مفلوج ہو جائے اور فوج کو بلانا ضروری ہو جائے۔ بجٹ کے بعد کی صورت حال اس طرف لے جا سکتی ہے لیکن اس صورت میں ملک کو حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا جائے گا جو بھی ذمہ دار حلقے ہیں وہاں کوئی تو ہو گا جو حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ان پر قابو پانے کی کوشش کرے گا۔

● آپ کے نزدیک ملک کا کون سا شعبہ زیادہ توجہ کا مستحق ہے؟

○ مالیات کا شعبہ' جہاں قومی پیداوار کا ۵۸ فیصد سود کی ادائیگی اور دفاع پر خرچ ہو جاتا ہے۔ محصولات کا ۲۵ فیصد ایوان صدر' وزیراعظم ہاؤس' مرکزی کابینہ اور پارلیمنٹ کے کھاتے میں چلا جاتا ہے جس ملک میں عوام کو دو وقت کی روٹی مشکل سے میسر ہو اس ملک کے حکمران اگر اسی طرح ملکی وسائل عیاشیوں پر اڑاتے رہے تو کب تک کام چلے گا۔ وزیراعظم کو کیا حق حاصل ہے کہ اپنے لئے نیا سرکاری ہوائی جہاز خریدے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام کی خون پسینے کی کمائی عیاشیوں پر لٹانے کا یہ سلسلہ بند کرایا جائے۔ اس معاملے میں نواز شریف ان سے بھی آگے تھا۔ اصل میں تو اسی نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا' بے نظیر صاحبہ تو اس کے نقش قدم پر چل رہی ہیں۔ یہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک بنا ہی ایک خاص طبقے کی عیاشیوں کے لئے تھا۔

اس کے بعد امن عامہ کا مسئلہ ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ امن عامہ کی ذمہ دار انتظامیہ یکسر سیاسی رنگ میں رنگی جا چکی ہے' حکمران جماعت سے تعلق رکھنے والا ہر ایم ۔ پی ۔ اے اور ایم ۔ این ۔ اے اپنے علاقے میں اپنی پسند کے اہل کار لگوا لیتا ہے جو ہر معاملے میں اس کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں اور حکام بالا منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ سول انتظامیہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ پولیس افسر' اے ۔ سی' ڈی ۔ سی یہاں تک کہ کمشنر سیاسی بنیادوں پر تعینات کئے جا رہے ہیں۔ گوجرانوالہ کے کمشنر کا آپ کو معلوم ہے کس نے ان کی سفارش کی ہے؟ جنرل رانی نے! کیا ابھی تک اسے اقتدار حاصل ہے؟

بالکل! صرف گھوڑا تبدیل کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ آج کل اسے حامد ناصر چٹھہ کی سرپرستی حاصل ہے اور وجہ بھی آپ جانتے ہوں گے۔ سارے اہم عہدوں پر جہاں ایک پارٹی کا قبضہ ہو وہاں انصاف کی توقع کرنا حماقت ہے۔ سسٹم نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی جس کا نتیجہ سوائے لاقانونیت کے اور کیا ہو گا۔

● آپ کی پارٹی کے پاس کیا حل ہے؟

○ جاگیرداری کا خاتمہ' اگر ہم برسراقتدار آئے تو ۱۹۷۴ء کی زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد بدعنوانی کا خاتمہ ہو گا۔ کرپشن ختم کرو' کا نعرہ سب سے پہلے میر مرتضیٰ بھٹو نے لگایا تھا۔ ہم تمام لوٹی ہوئی دولت واپس لیں گے ہم جانتے ہیں یہ آسان کام نہیں اور جب تک عوام ساتھ نہ ہوں یہ کام نہیں ہو سکتا۔

● لیکن آپ کی پارٹی میں لگتا ہے کوئی جان نہیں؟

○ سندھ میں خاصی جان ہے اور اسے عوام کی حمایت حاصل ہے۔ لیکن ہمارا پریس علاقائی ہے۔ پنجاب کے اخبارات میں سندھ کی کوئی خبر نہیں آتی۔ پنجاب میں ہم عبوری مرحلے میں ہیں۔ ہم نے جنوبی اور وسطی پنجاب میں یہ مرحلہ طے کیا ہے۔ سرحد میں پنجاب کی نسبت ہمیں حوصلہ افزا جواب ملا ہے۔ بلوچستان آپ جانتے ہیں' ہمیشہ سے ہمارے لئے کمزوری کا باعث رہا ہے۔ سیاسی لحاظ سے ہم پیچھے کو گئے ہیں۔ ستر کی دہائی کے اوائل میں جاگیرداری پر جو زد پڑی تھی' ضیاء الحق نے اس کی تلافی کر دی تھی۔ اس لئے ہمیں نئے سرے سے سارا کام کرنا ہو گا۔

● موجودہ سیاسی تناظر میں بیگم نصرت بھٹو کا کیا مقام ہے؟

○ ان کا کردار ایک سیاسی شخصیت کے بجائے ماں کا زیادہ ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بیٹے اور بیٹی میں سے کسی کی طرف زیادہ جھکاؤ نہ ہو۔ سیاسی طور پر وہ بیٹے کے ساتھ ہے لیکن بے نظیر ہمیشہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہے جب بھی باہر جاتی ہے اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر وہ اسلام آباد جائے تو بے نظیر صاحبہ کسی نہ کسی طرح اسے وزیراعظم ہاؤس لے آتی ہے اور ویسا ہی خیال رکھتی ہے جیسا اورنگ زیب نے شاہجہاں کا رکھا تھا۔

چونکہ ہماری اصل میراث پیپلز پارٹی ہے اس لئے جب تک بے نظیر حکومت موجود ہے ہمیں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس وقت تو ہر ایک کو مفادات حاصل کرنے کی پڑی ہوئی ہے اور اس سے سیاستدانوں کا وقار کم ہوا ہے۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

دنیا میں رزق حلال کے دروازے بند تو نہیں ہو گئے !

محمد سمیع' کراچی

"کیا یہ امن عارضی ہے؟" کے عنوان سے "جنگ" فورم میں شعیب سنڈل نے جو تلخ حقائق پولیس کے نظام کے حوالے سے بیان کئے ہیں ان کو پڑھ کر یہ شعر بہت یاد آیا۔

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

پولیس نظام کا ناقد اور وہ بھی ڈی آئی جی' یقیناً یہ جرات رندانہ قابل ستائش ہے۔ لیکن کیا اتنا ہی کافی ہے۔ آپ خود اس نظام کا ایک حصہ ہیں بلکہ اس نظام کو چلانے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ گو کہ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اپنے منصب اور اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے اس نظام کی اصلاح کے لئے کیا کوششیں کی ہیں لیکن مجھے آپ سے یہ حسن ظن ہے کہ آپ نے اپنے طور پر ہر ممکنہ کوشش کی ہو گی۔ پولیس کے ایک اہم عہدیدار ہونے کے باوجود آپ نے پولیس نظام پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار فرمایا ہے جو اس حقیقت کا مظہر ہے کہ آپ کا ضمیر زندہ ہے۔ ورنہ آج کون یہ سوچنے کے لئے تیار ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا تو خود اس کی حالت کیا ہو گی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ ہی جیسے ایک زندہ ضمیر شخص نے ایک عالم دین سے یہی مسئلہ پوچھا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ اللہ کے بندے رزق کے دروازے تم پر زندگی کے دوسرے شعبوں میں بند تو نہیں ہو گئے۔ کیا ضروری ہے کہ تم اس قسم کی ملازمت جاری رکھو۔ اس پر تین حرف بھیجو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک شخص کے استعفاء سے مظالم بند ہو جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ برائی کے منبع کو بند کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ شعیب سنڈل صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ آپس میں جڑیں اور اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ اس کے لئے بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں میں اللہ کا تقویٰ پیدا کیا جائے۔ میں نے نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جدوجہد کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ پولیس کا نظام اس مجموعی طاغوتی نظام کا حصہ ہے جو ہمارے ملک میں جاری ہے۔ اس کو ایک ہمہ گیر انقلابی جدوجہد کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے سیاستدانوں سے شکوہ کیا ہے کہ وہ اپنا رول کیوں نہیں ادا کرتے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے وہ اپنا رول بھرپور طور پر ادا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا رول صرف حصول اقتدار کو سمجھا ہوا ہے اور اپنے اقتدار کے دوام کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے شکوہ کیا ہے کہ یہی سیاستدان جب اقتدار میں آتے ہیں تو اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے پولیس کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو بہت معمولی حرکت ہے جس کے وہ مرتکب ہو رہے ہیں۔ آپ تو اس ملک کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ یہاں تو حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے لئے اسلام تک کو استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس ملک میں آج بھی غیر اسلامی عائلی قوانین نافذ ہیں۔ اس ملک کے صدر مملکت تہجد گزار ہیں لیکن عورت کو موت کی سزا سے مستثنیٰ قرار دے کر اسلام کا مذاق بھی اڑایا جا رہا ہے۔ عام سیاستدانوں کا تو یہ دعویٰ ہی نہیں کہ وہ نظام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں جو ببانگ دہل اسلامی انقلاب کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ ع

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

شعیب سنڈل صاحب! آپ جیسے باضمیر پولیس والوں کو چاہئے کہ وہ سیاستدانوں کے ذریعہ اپنے آپ کو استعمال ہونے سے بچائیں۔ کیونکہ یہ سیاستدان دنیا میں تو شاید آپ کو نوازلیں لیکن احکم الحاکمین کے حضور اس کی گرفت سے آپ کو ہرگز نہ بچا سکیں گے۔ اس دن تو ہر شخص کو اپنے اعمال کی خود ہی جواب دہی کرنی ہو گی۔ کفار مکہ مومنین سے کہا کرتے تھے کہ تم ہماری اتباع کرو۔ ہم تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا کہ یہ ہرگز کسی کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے بلکہ یہ ہیں ہی جھوٹے۔

شعیب سنڈل صاحب! آپ ایک ایسے ملک میں ڈی آئی جی ہیں جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور جس کی اکثریت مسلمان ہے اور الحمدللہ آپ خود مسلمان ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان سرکاری اہلکار کا رویہ اختیار کریں۔ تھوڑی سی مزید جرات سے کام لیں اور اس طاغوتی نظام کے خلاف سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں۔ لیکن اکیلے اکیلے یہ کام ممکن نہیں۔ اس کے لئے تو آپ کو کسی ایسی اجتماعیت سے جڑنا ہو گا جو اس جدوجہد میں مصروف ہو۔ یا پھر خود ایک جمعیت پیدا کرنی ہو گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ گزشتہ گناہوں پر ندامت' اور آئندہ استقامت کا عزم ہو۔ اگر آپ اس میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف اپنی دنیوی و اخروی فلاح کو پالیں گے بلکہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک کو واپس اسلام کی پٹڑی پر لا کر ایک کارنامہ عظیم انجام دیں گے جسے شاید رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے۔

بقیہ : حدیث امروز

مسلمانوں کو نصیحت فرمائی وہ یہودیوں کا طرز عمل تھا۔ اسی لئے مسلمانوں کو عبرت دلائی گئی کہ مسلمان بھی اپنے آپ کو خدا کے چہیتے نہ سمجھ بیٹھیں کہ اللہ کے آخری نبی ﷺ کی امت میں ہونا ہی بجائے خود ان کے لئے اللہ کے فضل اور اس کی تائید کی ضمانت ہے جس کے بعد دین و اخلاق کے کسی تقاضے کی پابندی ان کے لئے ضروری نہیں رہتی۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات (۴۹) میں ارشاد ہوا' اللہ کا خوف کرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہی اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ ہمارے بگڑے ہوئے حالات میں اکابرین ملت اور علماء کرام پر لازم ہے کہ قوم کو راہ راست پر گامزن رکھنے کی تدبیر کریں۔ رٹی رٹائی بے کیف دعاؤں اور معمول کی حرکات و سکنات پر مشتمل نمازوں سے مطلوب و مقصود نتائج برآمد نہیں ہو پائے۔ اس جانب مخلصانہ توجہ کی ضرورت ہے' ورنہ خدا کے قہر سے کوئی نہ بچا سکے گا اور اس کی پکڑ نہایت سخت ہے۔OO